فون نمبر: 5863260 5862956 | مدیر: چوہدری ریاض احمد | نائب مدیر: حامد رحمن | رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
Email: centralanjuman@yahoo.com | قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 101 | 9 صفر تا 9 ربیع الاوّل 1436 ہجری یکم دسمبر تا 31 دسمبر 2014ء | شمارہ نمبر 24-23

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

کامل نبیؐ اور کامل انسان

''وہ انسان جس نے اپنی ذات سے، اپنی صفات سے، اپنے افعال سے، اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی پاک قویٰ کے پُرزور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً وعملاً وصدقاً وثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا۔۔۔۔ وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبیؐ تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء، امام الاصفیاء، ختم المرسلین، فخر النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلعم ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبیؐ پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ اگر یہ عظیم الشان نبیؐ دنیا میں نہ آتا تو پھر جس قدر چھوٹے چھوٹے نبی دنیا میں آئے جیسا کہ یونسؑ اور ایوبؑ اور مسیح ابن مریمؑ اور ملاکیؑ اور یحییٰؑ اور زکریاؑ وغیرہ وغیرہ۔ ان کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی اگرچہ سب مقرب اور وجیہہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے۔ یہ اسی نبیؐ کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دنیا میں سچے سمجھے گئے''۔ (اتمام الحجہ ص 28)

''ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں، اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتابِ ہدایت کی شعاع دُھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں''۔ (حقیقۃ الوحی ص 11)

جونُور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ اور کسی کو نہیں ملا

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسانِ کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی وسماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا یعنی انسانِ کامل میں۔ جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد ومولیٰ سیّد الانبیاء سیّد الاحیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی یعنی اُن لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں۔۔۔اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سیّد ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی، نبی امیؐ، صادق مصدوق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔ (آئینہ کمالات اسلام ص160 تا165)

جیسا کہ خود خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

''یعنی ان کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش میں جدو جہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا رب ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اوّل المسلمین ہوں یعنی دنیا کی ابتداء سے اس کے اخیر تک میرے جیسا کوئی اور کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجہ کا فنا فی اللہ ہو جو خدا تعالیٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو''۔ (66:40)

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا

جلسہ سالانہ 2014ء کے لئے خصوصی پیغام

”اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے،

ترجمہ: ”زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں“۔ (سورۃ العصر آیت نمبر 1 تا 3)

اس مختصر سی سورۃ میں اللہ نے بُروں کا انجام خسارہ بتایا ہے اور اچھے اعمال کرنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے۔ ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ لاہور احمدیہ انجمن ان آیات کے معیار پر ہمیشہ سے عمل پیرا رہی ہے۔ اللہ ہمارے ایمان کو پختہ رکھے۔ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق دے اور جس حق کو ہم نے پہچانا ہے اس کو اپنا فرض سمجھ کر صبر سے دنیا تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

(آمین)

اس دعائیہ کے آغاز میں مَیں آپ سب کی توجہ ”سانحہ پشاور“ کی طرف مبذول کراتا ہوں اور ساتھ ہی اُن والدین کے شہید بچوں اور اُن کے لواحقین کے لئے دُعا بھی کرتا ہوں اور آپ سب سے بھی چاہتا ہوں کہ اِن قبولیت کے دنوں میں اُن بچوں کے والدین اور اُن کے لواحقین کو خصوصی طور پر اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ پاکستان کی خاطر اُن معصوم جانوں سے نذرانہ لیا گیا۔ خدا اِس ملک میں امن لائے اور دہشت گردی سے پاک ہو جائے۔ آمین

سال 2014ء کا سالانہ دعائیہ ہماری جماعت کے لئے اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سلسلہ جس کی بنیاد خود حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ نے 1884ء میں رکھی اس کے آج الحمدللہ 130 سال مکمل ہو چکے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور مَیں بحیثیت امیر جماعت اپنی جماعت کو اس موقع پر ”پیغام صلح“ کے ذریعہ سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ سال 2014ء جو اپنے اختتام پر ہے، ہماری جماعت کے لئے بہت سے اہم مراحل کا سال تھا۔

اسی سال ہماری جماعت لاہور کے 100 سال پورے ہونے پر ہم نے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں بھی تقاریب منعقد کیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ذاتی طور پر شمولیت کا موقع عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے کہ وہ صالح اور نیک اعمال لوگوں کو کبھی ضائع نہیں کرے گا اور ان کوششوں کو بارآور ثابت کرے گا۔ اسی وعدہ کے موافق اس نے ہماری جماعت کو بھی یہ موقع عنایت فرمایا کہ اس کے دین کی خاطر کچھ کام کر سکیں۔

میرے دورہ سرینام کے دوران جو کنونشن منعقد ہوا۔ اس کا مقصد تین اہم جماعتی تواریخ کی یاد تھی (۱): احمدیہ انجمن لاہور کے 100 سال (۲) SIV کے 85 سال (۳): جامع سرینام کے 30 سال مکمل ہوئے۔ اسی طرح برلن مشن اور جامع کے قیام کے بھی 90 سال پورے ہونے پر کنونشن منعقد ہوا۔

یہ تمام مواقع جو ہم نے اسی سال مکمل کئے وہ ہمارے امام الزماں حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کے دنیا میں اور خاص طور پر یورپ میں اسلام پھیلانے کی خواہش کی بدولت ہوئے۔ اس کو کامیابی سے عملی جامہ پہنانے میں باوجود تمام رکاوٹوں کے میں اپنی جماعت کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ وہ عظیم جذبہ جو ہمارے اکابرین اور ہمارے بزرگوں نے دکھایا اس کو آگے بڑھانے میں ہم اپنا اپنا کردار ادا کریں گے۔ آمین

اس سال ہم میں سے جو لوگ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ ہم اُن کے درجات کی بلندی کے لئے بھی دُعا کرتے ہیں اور اُن کے اہل خانہ کے لئے بھی دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے اور ہم سب کو امام الزماں کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اداریہ

تحریک احمدیت اور احمدیہ انجمن لاہور چند روز کی داستان کا نام نہیں، چند سالوں یادہائیوں کی کہانی نہیں، یہ ایک صدی سے زائد کا قصہ ہے!

اعلائے کلمۃ اللہ کے عظیم الشان مقصد کے لئے عظیم الشان کامیابیوں اور قربانیوں کی داستان ہے۔احمدیہ تحریک خالصتاً مدافعت اسلام، فروغ اسلام اور حُبِ رسول صلعم کے علم برداروں کا وہ دستہ ہے جس نے دین حق کے فروغ کے لئے مشرق ہی نہیں عیسائیت کے قلب مغرب میں بھی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑھے اور وہ بھی ایسے وقت میں جب عیسائی مشنریوں نے اسلام پر یلغار کی ہوئی تھی اور سینکڑوں یا ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنا چکے تھے اور اپنی کامیابیوں پر اس قدر نازاں تھے کہ مزید 50 سال میں دہلی کی جامع مسجد کو کلیساء میں تبدیل کرنے کا علی الاعلان دعویٰ کرتے پھر رہے تھے۔ قصہ یہیں پہ ختم نہیں ہوجاتا یہ وہ زمانہ تھا کہ آریہ سماجی ہندو بھی مسلمانوں کو لوٹ کا مال سمجھ کر شُدھی تحریک کے ذریعے شہر شہر، قریہ قریہ مسلمانوں کے ماتھے پر تلک لگا کر مسلمانان ہند اور اسلام کو کمزور جبکہ ہندومت کو مضبوط کر رہے تھے۔ جبکہ مسلمانان ہند میں ان کو علمی میدان میں للکارنے والا کوئی نہ تھا سوائے احمدیہ تحریک کے پروانوں کے۔

مگر پھر ایسا وقت بھی آیا کہ ''صدر انجمن احمدیہ قادیان'' میں بانی تحریک احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کے عقائد کے برعکس افراط و تفریط پر مبنی تکفیری نظریات کو منظم انداز میں فروغ دیا جانا شروع کیا گیا۔ وہ تحریک جو اصلاح کے لئے کھڑی ہوئی تھی، جب اُمت کے لئے فتنہ بنتی ہوئی دیکھائی دی تو مجاہد و مجدّدِ احمدیت مولانا محمد علیؒ نے اصلاح کی کوشش کی مگر ناکامی پر ان تکفیری عقائد سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے انتہائی نامسائد حالات میں 1914 میں احمدیہ انجمن لاہور کی بنیاد رکھی اور احمدیہ تحریک کی اصل رُوح، اعلائے کلمۃ اللہ اور اصل عقائد کو بچالیا۔

اس چھوٹی سی جماعت نے خدمت دین کی وہ بے نظیر مثال قائم کی کہ انصاف پسند غیر بھی اس کے کام کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے ''احمدیہ انجمن۔۔۔ لاہور'' کی دینی خدمات اظہر من الشمس ہیں خصوصاً مولانا محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن انگریزی اور اُردو میں نیز دیگر کتب کی وجہ سے انسان کے دل میں اسلام کی عزت و توقیر قائم ہوتی چلی جاتی ہے۔۔۔اس انجمن کے جملہ ممبر جس قدر مالی اور جانی قربانی کرتے ہیں وہ مسلمانانِ عالم کے لئے مشعل ہدایت ہے'' (شمس العلماء مولانا کمال الدین صاحب بنگال: دسمبر 1933) ''قرآن مجید کی اشاعت اور عام مذہبی خدمت کے علاوہ اہم ترین کام جو لاہوری جماعتِ احمدیہ نے سرانجام دیا وہ بیرونی ملکوں میں اشاعت ہے، اس جماعت نے اتنا عملی کام کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔عیسائی مشنری بھی عام طور پر تسلیم کر رہے ہیں کہ ان کے کام میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستانی مسلمان بالخصوص لاہور کے ''احمدی'' ہیں۔'' (مولانا عبدالمجید سالک ایڈیٹر روزنامہ ''انقلاب'' لاہور۔بحوالہ، موجِ کوثر ص 204)

سچ وہی ہوتا ہے جو غیروں کی زبان سے جاری ہو۔ باوجود ہر طرح کی مشکلات کے دنیا کی تقریباً ہر اہم زبان میں قرآن مجید کے تراجم اور حمایت اسلام کا لٹریچر پیدا کرنا اور مشرق و مغرب میں تبلیغی مشنوں کے علاوہ تعلیمی اور فلاحی ادارے قائم کرنا، باوجود قلیل تعداد اور محدود وسائل کے یہ جماعت احمدیہ لاہور کی وہ کامیابیاں اور سچائیاں ہیں جو کوئی حق گو جھٹلا نہیں سکتا۔

تحریکوں کی کامیابی یا ناکامی کا تعین ان کی نتیجہ خیزی سے کیا جاتا ہے۔ مستقبل کا غیر جانبدار موٴرخ جب بھی گزشتہ صدی کے مذہبی فکری ارتقاء کی داستان لکھے گا تو جماعت احمدیہ لاہور کا نام اور کردار جلی حروف میں لکھا جائے گا۔

ختم نبوت پر حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کا موقف!

''مسیح کیونکر آ سکتا وہ رسول تھا اور خاتم النبیینؐ کی دیوار اُس کو آنے سے روکتی ہے سو اس کا ہمرنگ آیا وہ رسول نہیں مگر رسولوں کے مشابہ ہے اور امثل ہے''۔(ازالہ اوہام، صفحہ 522)

''کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبییّنؐ کے بعد کوئی اور نبی اُسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے آ سکتا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبرئیل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیے کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اُسی کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائدِ دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ گئی ہے کیا یہ مُہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟''(ازالہ اوہام صفحہ 534)

''اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبییّنؐ کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فسادِ عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازمِ نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک اُمتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں''۔(ازالہ اوہام صفحہ 544)

''قرآن کریم بعد خاتم النبییّنؐ کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پُرانا ہو کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور باب نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحیِ رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے گا مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو''۔(ازالہ اوہام صفحہ 761)

''نہ مجھے دعویٰ نبوت وخروج از امت، نہ میں منکرِ معجزات اور ملائک اور نہ لیلتہ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبییّن ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس اُمت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا اور قرآن کریم کا ایک شُعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جلشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شانِ نبوت کے رنگین کئے جاتے ہیں''۔

(نشانِ آسمانی صفحہ 28)

''اور کہتے ہیں کہ یہ شخص ملائکہ اور ان کے نزول وصعود پر ایمان نہیں رکھتا اور سورج اور چاند اور ستاروں کو ملائکہ کے اجسام خیال کرتا ہے اور یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور ختم المرسلین ہیں حالانکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہ سب افتراء اور تحریف ہے۔ میرا خدا پاک ہے۔ میں نے کبھی ایسی بات نہیں کی۔ یہ محض جھوٹ ہے اور اللہ جانتا ہے کہ یہ دجال ہیں''۔(حمامتہ البشریٰ صفحہ 9)

''کیونکر وہ خدا کے اس قول کے مخالف ہے کہ ''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں'' کیا تو نہیں جانتا کہ فضل اور رحم کرنے والے رب نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر کسی استثناء کے خاتم الانبیاء رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا نبی بعدی'' سے طالبوں کے لئے بیانِ واضح سے اس کی تفسیر کی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اگر ہم آپؐ کے بعد کسی نبی کے ظہور کو جائز

قرار دیں تو ہم وحی نبوت کا دروازہ بند ہونے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے جو بالبداہت باطل ہے جیسا کہ مسلمانوں پر مخفی نہیں اور ہمارے رسول صلعم کے بعد کوئی نبی کیسے آسکتا ہے جبکہ آپؐ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہوگئی ہے اور اللہ نے آپؐ کے ذریعہ نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا''۔

(حمامتہ البشریٰ صفحہ 20)

''اور اس میں کوئی شک نہیں کہ محدثیت شانِ نبوت کی طرح مجرد موہبت الٰہی ہے، جسے کوشش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ محدثین سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح وہ نبیوں سے کلام کرتا ہے اور محدثوں کو اسی طرح بھیجتا ہے جس طرح وہ رسولوں کو بھیجتا ہے اور محدث اسی چشمہ سے پیتا ہے جس سے نبی پیتا ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ کر دیا جاتا تو وہ (محدث) نبی ہوتا۔ آنحضرت صلعم حضرت عمرؓ کو محدث کہہ کر یہ کہتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا یہی راز ہے اور یہ صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ محدث اپنی ذات میں کمالات نبوت جمع رکھتا ہے اور سوائے ظاہر و باطن اور قوت و فعل کے اور کوئی فرق نہیں۔ پس نبوت خارج میں موجود اپنی حد کو پہنچا ہوا ایک پھل دار درخت ہے اور محدثیت ایک بیج کی مانند ہے جس میں وہ سب کچھ بالقوۃ موجود ہے جو درخت میں بالفعل اور خارج میں پایا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے ایک واضح مثال ہے جو دین کے معارف حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ ''میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہوں گے'' اور علماء سے مراد محدث ہی ہیں جنہیں اپنے رب کی طرف سے علم دیا جاتا ہے اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوتے ہیں''۔ (حمامتہ البشریٰ صفحہ 82)

''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ و رسول کا متبع ہوں اور اِن نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے مذہب کے رُو سے ان نشانوں کا نام کرامات ہے جو اللہ اور رسولؐ کی پیروی سے دیئے جاتے ہیں''۔

(جنگ مقدس صفحہ 67)

''جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ محدث بھی ایک مرسل ہوتا ہے۔ کیا قرآت ولا محدث کی یاد نہیں رہی۔ پھر یہ کیسی بے ہودہ نکتہ چینی ہے کہ مرسل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اے نادانوں! بھلا بتاؤ کہ جو بھیجا گیا ہے اس کو عربی میں مُرسل یا رسول ہی کہیں گے یا اور کچھ کہیں گے۔ مگر یاد رکھو کہ خدا کے الہام میں اس جگہ حقیقی معنی مراد نہیں جو صاحب شریعت سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ جو ماموُر کیا جاتا ہے وہ مُرسل ہی ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا اس میں اس کی نسبت نبی اور رسول اور مُرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو اُس نے ایسے لفظ استعمال کئے۔

ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے مگر مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یاد کرے۔ کیا تم نے وہ حدیثیں نہیں پڑھیں جن میں ''رَسُول، رَسُول اللہ'' آیا ہے۔ عرب کے لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہوگیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی نہ استعمال کرے۔ کیا قرآن میں سے ''سو انہوں نے کہا ہم تمہاری طرف رسول ہیں'' بھی یاد نہیں رہا انصافاً دیکھو کیا یہی تکفیر کی بنیاد ہے اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ کہ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے۔ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل

اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ **حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلعم کے بعد بکلی بند ہیں**۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کے رُو سے آ سکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی۔ مگر ہمارے ظالم مخالف ختم نبوت کے دروازے کو پورے طور پر بند نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُن کے نزدیک مسیح اسرائیلی نبی کے واپس آنے کے لئے ابھی ایک کھڑکی کھلی ہے۔ پس جب قرآن کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آ گیا اور وحی نبوت کا سلسلہ شروع ہوا تو کہو کہ ختم نبوت کیونکر اور کیسا ہوا۔ کیا نبی کی وحی وحی نبوت کہلائے گی یا کچھ اور۔''

(سراج منیر صفحہ 2,5)

''کیا ایسا بدبخت مفتری جو رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے؟ اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ''لیکن (آپؐ) اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں'' کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں؟ صاحب انصاف کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے۔ اُن کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے۔ وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل **حقیقت جس کی میں علیٰ رُوس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا**۔ (انجام آتھم صفحہ 27)

''افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تمام افتراء ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائدِ اہلسنت کے قائل ہیں''۔ (کتاب البریہ صفحہ 182)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث ''لا نبی بعدی'' ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ ''لیکن (آپؐ) اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں'' سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ غرض قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم النبیین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرتؐ نے ''لا نبی بعدی'' فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آ سکتا۔''

(کتاب البریہ صفحہ 185-184)

☆☆☆☆

حضرت مولانا نورالدینؒ کی احباب لاہور کے بارے رائے

(ایک تقریر)احمدیہ بلڈنگس۔لاہور

(اخبارالفضل میں شائع شدہ عبارتوں کے علاوہ منقول ازاخبار''بدر''مورخہ 4،11جولائی1912ء)

کیا کوئی خلافت کے کام میں روک ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں اور میرے دوست ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم اور حدیث کو اُستاد سے پڑھا ہے اور میں دل سے انہیں مانتا ہوں۔ میرے دل میں قرآن وحدیث صحیح کی محبت بھری ہوئی ہے۔ سیرتؐ کی کتابیں ہزاروں روپیہ خرچ کر کے لیتا ہوں۔ ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے اور یہی میرا ایمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

لاہور میرا گھر نہیں۔ میرا گھر بھیرہ میں تھا یا اب قادیان میں ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ لاہور کا کوئی آدمی نہ میرے امر خلافت میں روک بنا ہے نہ بن سکتا ہے۔ پس تم ان پر بدظنی نہ کرو۔

قرآن مجید میں ہے:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے''(12:49) اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے۔ بدظنی سے ہٹ جاؤ، یہ بدکار کردے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدظن بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ پس تم بدظنی نہ کرو۔ اب بھی میرے ہاتھ میں ایک رُقعہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ لاہور کی جماعت خلافت میں روک ہے۔ میں ایسا اعتراض کرنے والوں کو کہتا ہوں کہ یہ بدظنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ تم پہلے ان جیسے اپنے آپ کو مخلص بناؤ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں۔ حضرت صاحب سے انہیں محبت ہے۔ غلطی انسان کا کام ہے۔ اس سے ہوجاتی ہے۔ ان سے بھی غلطی ہوتی ہے۔ یہ جدّی بات ہے۔ مگر ان لوگوں نے جو کام کئے ہیں تم بھی کر کے دکھاؤ۔

میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ جو لاہوریوں پر بدظن ہے کہ وہ خلافت میں روک ہیں۔ اسے یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بدظنی کرنے والے کو یہ سرو پا ملتا ہے ''بدظن بڑا جھوٹا ہوتا ہے'' اور اللہ جلشانہٗ نے فرمایا: ''ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے بُرا نہ کہو''(12:49) وہاں سے اِثْمٌ کا خطاب ملتا ہے۔ بدظنی سے پھر غیبت نصیب ہوتی ہے اور اس کے متعلق فرمایا: ''ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے بُرا نہ کہو'' (12:49) پس مخلصوں پر بدظنی کرتے ہو اور میرا دل دُکھاتے ہو۔ خدا سے ڈرو۔ تمہارے لئے میں دعائیں کرتا ہوں، ان سے محروم نہ بنو۔ اگر مان لیا ہے تو شکر کرو اور نہیں تو صبر کی دوا موجود ہے...... اگر کہو کہ لاہور کے لوگ خلافت میں روک ہیں، تو میرے مخلص دوستوں پر بدظنی ہوتی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ جو شخص کسی پر بدظنی کرتا ہے، وہ نہیں مرتا جب تک اس میں مبتلا نہ ہو۔ میں سنتا ہوں تم آپس میں اختلاف کرتے ہو۔ اختلاف انسان کی فطرت میں ہے۔ یہ ہٹ نہیں سکتا۔ مگر اس کو شغل نہ بناؤ۔ جس امر پر اللہ تعالیٰ نے تم کو جمع کیا ہے۔ اس وعدہ کے مرکز کو نہ چھوڑو۔

کبھی کبھی مجھے ان حالتوں کو دیکھ کر بددعا کا جوش ہوتا ہے۔ مگر پھر رحم سے کام لیتا ہوں۔ توبہ کرلو۔ ہماری زندگی میں چھوڑ دو۔ اب بھی تمہارے رسائل میں غلطیاں ہوتی ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ مگر خدا نے چاہا ہے کہ خاموش رہوں۔ تم کیا ہستی رکھتے ہو کہ جو نہ میرے دربار سے اجازت ہوتی ہے، نہ خدا کی طرف سے تمہیں امر ہوتا ہے اور تم جرأت کرتے ہو۔ دیکھو، یاد رکھو! تمہاری کوئی جماعت نہ بنے گی۔ تم لکھ رکھو کہ کوئی ایسی جماعت نہ بنا سکو گے۔ پس میری بات کو یاد رکھو اور بدظنی چھوڑ دو۔ تفرقہ نہ کرو۔ حضرت صاحب نے جو فیصلہ جس امر میں کردیا ہے، اس کے خلاف نہ کہو، نہ کرو۔ ورنہ احمدی نہ رہو گے۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر خدا مسیلمہ کا سا معاملہ کرے گا۔

5 اپریل 1914

مراسلات

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سلسلۂ عالیۂ احمدیہ ایک خدائی سلسلہ ہے۔ جس کی بنیاد اُس عظیم الشان بابرکت انسان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈالی، جس کے لئے پیغمبر خدا صلعم اور اُن سب انبیاءؑ نے جو پہلے آپ سے گزرے اور اُن سب مجددین اور اولیاء نے جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں ہوئے، مختلف رنگوں میں پیش گوئیاں کی ہوئی تھیں۔ اور جس کو اپنا سلام پہنچانے کے لئے صادق المرسلینؐ نے وصیت فرمائی ہوئی تھی۔ یہ وہ سلسلۂ عالیہ ہے جس کے لئے بڑی بڑی فتوحاتِ روحانی اور جسمانی اور انعاماتِ الٰہیہ کے وعدے ہیں۔ یہی وہ سلسلہ ہے جس کے ذریعہ اسلام اپنی کھوئی ہوئی شوکت کو حاصل کرے گا اور دنیا میں پھیلے گا، پھولے گا اور پھلے گا۔ پس اگر کبھی بادِ خزاں کے جھونکے اس لہلہاتے ہوئے سبز کھیت کو عارضی طور پر مرجھا دیں یا کوئی اور سماوی آفتِ ناگہاں اس روحانی باغ پر حملہ آور ہو جائے تو اس سے یہ خیال کر لینا کہ اب تباہ ہو جاوے گا، سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ بادِ خزاں اور یہ گرم آتشیں ہوائیں اور یہ سخت آندھیاں کسی عظیم الشان بارش کا پیش خیمہ ہیں۔ جو اس نورانی باغ کو چند روز میں خوشنما پھولوں اور لذیذ روحانی پھلوں کا مالک بنا دے گی۔

لوگ ہنستے ہیں اور طرح طرح کی پھبتیاں اُڑاتے ہیں اور ہمارے کمزور دل بھائی گھبراتے ہیں۔ اگر اُن کو یقین ہوتا کہ ''اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں (پھیلی ہوئی) ہیں'' (ابراہیم: 24) اس سلسلۂ روحانی کی شان ہے تو کبھی وہ ایسے پژمردہ نہ ہوتے۔

پس برادران! گھبراؤ نہیں۔ مطلع صاف ہوا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری فرما رہا ہے۔ خودغرض لوگوں کی ریشہ دوانیاں ختم ہونے کو ہیں۔ خادمان سلسلہ کے دماغوں سے پریشانیاں دور ہو چکی ہیں۔ فتح ونصرت دروازہ پر کھڑی ہے۔ ہاں! آپ اپنے اعمال میں پاک تبدیلیاں کریں۔ دعاؤں میں لگ جاویں۔ کمر باندھ کر اپنی زندگی کو: ''کہہ، میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا، اللہ کے لئے ہے، جو جہانوں کا رب ہے'' (الانعام: 162) کا پورا مصداق بنالیں اور اشاعت اسلام کے کام کو اپنا نصب العین رکھیں کیونکہ صرف خیال ہی خیال کبھی انسان کی نجات کا موجب نہیں ہو سکتے اور جلدی سے جو کام کیا جاوے ہمیشہ ہی اس میں خرابیاں ہوتی ہیں۔ جیسا قرآن فرماتا ہے:

''یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (البقرۃ: 153)

اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے: ''انسان بہت ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔''

(بنی اسرائیل: 11)

غرض جلد بازی اور پھر معاملۂ دینی میں، سَم قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب باوجود بار بار عرض کرنے کے صبر واستقلال سے کام نہ لیا گیا تو سلسلہ ابتلا میں پڑ گیا اور ہم ''نقصان مایہ ودیگر شماتت ہمسایہ'' (ایک تو مال کا نقصان، دوسرے ہمسائے کی ہمارے نقصان پر خوشی؛ شیخ سعدی) کے مصداق ہوئے۔ سب وعظ، جو اتفاق اور یگانگت پر آئے دن ہوا کرتے تھے، تھوڑی سی بات کے لئے پس پشت پھینک کر قرآنی وعید: ''اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی'' (الانفال: 46) کے ماتحت جان بوجھ کر سلسلۂ عالیہ کو انتشار میں ڈال دیا، گویہ کسی بھائی سے پوشیدہ نہیں کہ اس عجلت بازی سے حضرت مولانا محمد علی

صاحب نے نہایت دانشمندی سے بار بار روکنے کی کوشش کی لیکن جن لوگوں کے دل سالہائے دراز سے ایک سُو لگ چکے تھے، وہ بھلا کس طرح کسی کی سُن سکتے تھے۔ آخر دنیا کو تماشہ دکھائے بغیر نہ رہ سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس غلطی پر بھی دوستوں نے بعد از مشورہ پسند کیا کہ اگر حضرت اقدس کی وصیت پر پورا عمل ہو جاوے تو وہ ہر ایک قسم کی ذلت کو برداشت کر کے سلسلہ کی بہبودی میں کوشاں ہوں۔ چنانچہ تجویز یہ ہوئی کہ صاحبزادہ صاحب اگر مسئلہ کفر پر زور نہ دیں، تو امیر مان لیا جاوے۔ لیکن سلسلہ کی مُطاع انجمن ہی ہو جیسا کہ حضرت مسیح موعود کا فیصلہ ہے۔ ہاں! جن کا انشراح صدر ہو وہ بیعت بھی کر لیں لیکن ہر ایک احمدی پر بیعت لازمی نہ ہو۔ ان شرائط کو صاحبزادہ صاحب نے غیر معقول قرار دیا۔ اور جو پرانے حضرت اقدس کے خادم تھے اُن کو ملنے سے بھی انکار کیا بلکہ اُن کی ملاقات کو باعث فتنہ کہا۔ اس پر احباب نے بعد غور و فکر کے جو راہ ان جھگڑوں سے سلسلہ کو بچانے کی نکالی وہ یہ ہے کہ میاں صاحب چونکہ مسئلۂ تکفیر سے جدا نہیں ہو سکتے اور سب مسلمانوں کو بلا تمیز کافر کہنے سے رُک نہیں سکتے اور نیز ''خلیفہ بلاشرط'' اور ''انجمن کا مُطاع'' خلافِ حکمِ حضرت مسیح موعودؑ بننا چاہتے ہیں اور اس اپنے عقیدہ سے بھی ایک اِنچ پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے اور بیعت نہ کرنے والوں کو فاسق کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اب اُن سے زیادہ جھگڑا نہ کیا جاوے اور اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاوے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان پر اصل حقیقت نہ کھول دے اور انجمن کا اُن کو مطاع تسلیم نہ کیا جاوے۔ اور وہ لوگ جو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں، سوائے ایسے لوگوں کے جو ہمیں کافر کہیں، وہ اُن کے ہاتھ پر جمع نہ ہوں کیونکہ یہ راہ خلافِ تعلیمِ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود ہے۔ اور نیز ایسے شخص کے ہاتھ پر اس سلسلہ کے لوگوں کا جمع ہونا، جو خلافِ عقیدۂ حضرت مسیح موعودؑ عقائد رکھتا ہو، سلسلہ کے لئے برکت کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں سلسلہ کی تباہی ہے لیکن چونکہ باوجود ان اختلافات کے کام مل کر کرنا ہے اس لئے صدر انجمن احمدیہ برابر قائم رہے اور اس میں ہم سب مل کر کام کریں۔ ہاں! ایک انجمن اشاعت اسلام کی اُسی طرح، جس طرح بلادِ غربیہ اشاعت اسلام ٹرسٹ ہے، قائم کی جاوے اور وہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اُس کا نظم و نسق صرف احمدی احباب کے ہاتھ میں ہو۔ وہ ایک گُونہ صدر انجمن احمدیہ کے کام اشاعت اسلام کی مددگار رہو۔

اب انشاء اللہ ہم اپنا کام شروع کریں گے۔ میاں صاحب بھی کام کریں۔ ہم بھی کام کریں گے۔ صدر انجمن احمدیہ میں ہم سب ایک ہو کر اور مل کر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

خاکسار

مرزا یعقوب بیگ

آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش

احباب و خواتین جماعت سے درخواست ہے کہ موجودہ حالات و مسائل کے پیش نظر مضامین لکھ کر ارسال فرمائیں ۔ یہ آپ کا اخبار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ متنوع بنانے کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔

پیغام صلح کے معیار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن آپ کے تعاون کے بغیر اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ممکن نہیں۔ اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرمائیں۔

ایڈیٹر پیغام صلح

احمدیہ تحریک کا تاریخی جائزہ

صد سالہ تقریبات کے لئے خصوصی فیچر (حصہ اوّل)

آنسہ زاہدہ بشیر صاحبہ (بی ایس ایڈ)

لندن (انگلستان) کے اُردو روزنامہ جنگ مجریہ ۲۷ ستمبر ۱۹۸۸ء میں سہ رُکنی پینل نے ربوہ جماعت کے سربراہ جناب مرزا طاہر احمد کا ایک طویل اور بالتصویر انٹرویو شائع کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے:

''ہم مرزا غلام احمد کو امام مہدی سمجھتے ہیں نبی ہرگز نہیں''

''ہم وہ نہیں جو ہمارے بارے میں پروپیگنڈے کے طور پر کہا جاتا ہے''

جناب مرزا طاہر احمد کا کہنا ہے:

''ہم حضرت مرزا صاحب کو امام مہدی مانتے ہیں جس کی پیشگوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ یہ تو بڑی واضح بات ہے اور مسیح موعود مانتے ہیں جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔''

اس سوال پر کہ:

''مرزا صاحب کے جو عقائد مباہلے کے چیلنج میں آپ نے بیان کیے ہیں یہ تو ایک عام مسلمان کے عقائد ہیں''

مرزا طاہر احمد کہتے ہیں کہ:

''وہی ہمارے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ امام مہدی آیا ہے کہ نہیں۔ وہ سارے عقائد ہمارے ہیں جن کو آپ مسلمان کے عقائد کہتے ہیں۔ صرف ہمیں مسلمان نہیں کہتے۔ ورنہ چیزیں وہی ہیں۔

جی نہیں، چیزیں وہی نہیں ہیں۔ چیزیں وہی ہوتیں تو صورتحال اور ہوتی اور احمدیہ تحریک کی تاریخ میں ۱۹۷۴ء کا ایک اندوہناک المیہ جنم نہ لیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ احمدیہ تحریک پر جو افتاد پڑی اس کی تمام تر ذمہ داری ربوائی جماعت کی کج فکری اور اس کے ان کے عقائد پر ہے جو انہوں نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر گھڑ لئے تھے۔

اس المیہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں احمدیہ تحریک کی ورق گردانی کرنا ہوگی۔

بانی تحریک احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے مارچ ۱۸۸۹ء میں احمدیہ جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اس کی غرض و غایت خدمت دین اور اشاعت قرآن کریم قرار دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سو سال پورے ہو کر آج کل دوسری صدی کے ابتدائی ایام گذر رہے ہیں۔ گویا یہ ایام تاسیس ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ ایک سو سال پورے ہوتے ہوتے اس تحریک نے اپنی اصلیت کے اعتبار سے کیا رُخ اختیار کیا۔

حضرت بانی تحریک نے اپنی حسین حیات میں جماعت کو اپنے نفوس قدسیہ کے زیر اثر جماعت کے اغراض و مقاصد کی تعمیل اور تکمیل میں لگائے رکھا۔ اس کی تنظیم و تربیت کے سامان براہ راست آپ کی زیر ہدایت پورے ہوتے رہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں نظامِ جماعت کا لائحہ عمل تجویز فرمایا۔ اس کے مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ایک وصیت تحریر کر کے شائع کی۔ اس میں آپ نے اپنے بعد نظم و نسق جماعت کے لئے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ بلکہ ساری جماعت کو مل کر کام کرنے کی ہدایت فرمائی اور شوریٰ سے تمام امور طے کرنے کا حکم دیا۔

ازاں بعد ۶ جنوری ۱۹۰۶ء کو آپ نے ایک ضمیمہ الوصیت شائع فرمایا، جس میں مذکورہ بالا وصیت کے متعلق تمام ضروری ہدایتیں تفصیل سے تحریر فرمائیں اور اپنے بعد باقاعدہ نظامِ عمل کے لئے ایک انجمن بنائی، جسے اپنا جانشین ٹھہرایا اور اس کے لئے کچھ قواعد خود تجویز فرمائے۔ اس انجمن کی سب

سے مقدم غرض خدمتِ دینِ حقہ قرار دیا اور قاعدہ ۱۳ میں لکھا:

’’اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔ اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔‘‘

اس کے متعلق مزید تشریح خود اس طرح کی کہ:

’’انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانتدار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔‘‘ (قاعدہ نمبر ۱۰ ضمیمہ الوصیت)

الوصیت اور ضمیمہ الوصیت کے ساتھ ہی حضرت صاحب نے اس انجمن کی بنیاد رکھی اور اس کا نام ’’صدر انجمن احمدیہ قادیان‘‘ رکھا۔ آپ نے ۱۴ ممبر اس انجمن کے تجویز فرمائے جو معتمدین کہلاتے تھے۔ حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کو اس انجمن کا صدر اور حضرت مولانا مولوی محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کو سیکرٹری بنایا۔ باقی بارہ ممبران میں حضرت خواجہ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ، مولانا سید محمد احسن امروہیؒ، صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، نواب محمد علی خان صاحب، رئیس مالیر کوٹلہ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب، مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری، میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹ، شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب لاہور، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب شامل تھے۔

حضرت صاحب نے اس انجمن کو اپنی زندگی میں اڑھائی برس تک اُس نظام اور مسلک پر چلایا جو الوصیت میں درج ہے۔ اور ایک موقعہ پر میر ناصر نواب صاحب نے کچھ اپنی مرضی اور منشاء استعمال کرنا چاہی تو حضرت صاحب انجمن کی شکایت پر خود اجلاس میں تشریف لائے اور مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر دے گئے:

’’میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیے اور وہی قطعی ہونا چاہیے۔۔۔۔ ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔‘‘

اس تحریر نے فیصلہ کر دیا کہ آپ کے بعد انجمن کامل طور پر بااختیار ہے۔ کوئی فردِ واحد انجمن کا مطاع نہیں ہوگا اور کل نظام انجمن کے سپرد ہوگا۔ یہ آپ کا ایک بڑا کارنامہ تھا گویا اپنے بعد پیر پرستی اور گدی بنانے کی تمام جڑیں کاٹ دیں۔

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت صاحب اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ جماعت نے حضرت مولانا نورالدینؒ کو اپنا سربراہ جماعت تسلیم کیا۔ اس وقت حضرت خواجہ کمال الدینؒ نے حضرت مولانا محمد علیؒ سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ مولانا محمد علیؒ نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے، جو نئے لوگ سلسلہ میں داخل ہوں انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیت کا منشاء ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ چونکہ وقت بڑا نازک ہے ایسا نہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ پڑ جائے اور احمدیوں کا مولانا نورالدینؒ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تب حضرت مولانا محمد علیؒ نے اسے تسلیم کر لیا۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدینؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک جماعت احمدیہ کی قیادت حضرت مولانا نورالدینؒ نے فرمائی۔ ان چھ سالوں میں جہاں ایک طرف جماعت نے ترقی کی اور بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی بنیاد رکھی گئی وہیں دوسری طرف بعض عناصر نے ایسی تخریبی تحریکوں کا آغاز کیا جس نے نہ صرف جماعت کے دو ٹکڑے کر دیئے بلکہ احمدیت کی ترقی اور مقبولیت کو نقصان پہنچایا۔ کہیں حضرت مولانا نورالدینؒ کو حضرت مولانا محمد علیؒ اور انجمن کے ممبران سے بدظن کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کہیں صدر انجمن احمدیہ کو عملی طور پر بیکار کر دینے یا لاہور کے بعض ممبران کو اس سے خارج کروانے کے منصوبے تھے۔ ایک طرف کسی خاص منصوبہ کے ماتحت مجلس انصار الاحمدیہ کا وجود میں آنا تھا تو دوسری طرف تکفیر مسلمانانِ عالم کے عقیدے کی ایجاد۔ غرض یہ زمانہ جہاں جماعت کی ترقی کا

زمانہ تھا وہیں اندر ہی اندر وہ سب کچھ بھی ہوا جس کا نتیجہ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدینؒ کی وفات کے بعد جماعت میں اختلاف کی صورت میں رونما ہوا، جس نے سلسلہ احمدیہ کو دو ٹکڑے کر دیا بلکہ احمدیت کی مقبولیت اور ترقی کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی پھر کبھی نہ ہوسکی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اپنی وصیت کے مطابق صدر انجمن کو قائم کر کے اس کے سپرد سب کاروبار کر دیا اور اپنے بعد اس انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیا۔ یہ بات جناب میاں بشیر الدین محمود احمد فرزند حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو اندر ہی اندر ناگوار گذری۔ اور اسی وقت سے ان کے دل میں خاص طور پر حضرت مولانا محمد علیؒ اور حضرت خواجہ کمال الدینؒ کے خلاف بغض و حسد کے خیالات پیدا ہو گئے۔ ان کا اظہار حضرت صاحب کی زندگی کے آخری حصہ میں مرحوم میاں صاحب کی کسی قدر کشیدگی کی صورت میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان کے وقت کا بڑا حصہ صدر انجمن کو کالعدم کرنے کی فکر میں گذرا۔ حضرت مولانا نورالدینؒ اور حضرت مولانا محمد علیؒ کے تعلقات بہت گہری محبت کے تھے۔ آپ جو کام کرتے وہ مولانا صاحب کے مشورے سے کرتے اور جو کچھ اعلان وغیرہ کرنا ہوتا وہ آپ کے قلم سے لکھواتے۔ یہ گہرا تعلق بعض لوگوں کے لئے مزید حسد کا باعث ہوا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ، حضرت صاحب کی خلافت کے صرف جانشینی کے معنوں میں قائل تھے اور آیت استخلاف کو صرف اور صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی مانتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدینؒ کو ہر وقت یہ کہا جانے لگا کہ مولوی محمد علی صاحب آپ کو خلیفہ نہیں مانتے۔ اور پھر میاں صاحب کے ماموں جناب میر محمد اسحاق نے ایک تنازعہ کی بنیاد ڈالی اور سات سوال تیار کیے کہ آیا انجمن خلیفہ کے ماتحت ہے یا خلیفہ انجمن کے ماتحت ہے اور انجمن خلیفہ کو برطرف کر سکتی ہے یا خلیفہ انجمن کو توڑ سکتا ہے اور انجمن کے انتظامات میں خلیفہ کس حد تک دخل دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف حضرت مولانا نورالدینؒ کے کان بھرنا شروع کر دیئے کہ مولانا محمد علیؒ اور اُن کے ساتھی ان کو خلافت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کا جواب، جو انہوں نے ان سات سوالوں کا دیا تھا، حضرت مولانا نورالدینؒ نے سائل کو بھیج دیا لیکن اس پر بھی اِن لوگوں کی تسلی نہ ہوئی اور مزید سوالات ان لوگوں نے لکھ کر حضرت مولانا نورالدینؒ کو دے دیئے۔ اُن کا جو جواب مولانا محمد علیؒ نے دیا وہ آپ کی کتاب ''حقیقت اختلاف'' میں درج ہے۔ مختصراً آپ نے اس بات کو دوہرایا کہ حضرت صاحب نے انجمن کو ہی اپنا جانشین بنایا ہے۔ اس وقت حضرت مولانا نورالدینؒ کو اپنا مطاع مانا ہے اور ان کے اور انجمن کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں۔ اس لئے یہ سب سوالات فرضی اور پیش از وقت ہیں اور انجمن کو توڑنے کی ایک کوشش ہے۔ بہتر ہے ان سوالات کا جواب انجمن دے۔ چنانچہ حضرت مولانا نورالدینؒ نے فرمایا کہ ان سوالات کو جوابات کے لئے چالیس آدمیوں کے پاس بھیجا جائے اور ان کی رائے سے انہیں اطلاع دی جائے اور ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو وہ سب قادیان میں جمع ہوں۔

احباب لاہور نے متفقہ رائے لکھ کر بھیج دی جو وہی تھی جو کہ حضرت مولانا محمد علیؒ لکھ چکے تھے یعنی یہ کہ حضرت صاحب کی اصل اور حقیقی جانشین انجمن ہے۔ انجمن نے بالاتفاق رائے حضرت مولانا نورالدینؒ کو اپنا مطاع مانا ہے۔ یہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ بہرحال مولانا کی ذات پر سب کو اتفاق ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا نورالدینؒ نے اجلاس میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں وہی بات کہی جو حضرت مولانا محمد علیؒ نے اپنے جواب میں لکھی تھی کہ یہ سوالات قبل از وقت ہیں۔ ان میں پڑنا نہیں چاہیے اور آخری فیصلہ کے طور پر کہا کہ مجھ پر دونوں فریقین کو اعتماد ہے۔ اس لئے میری زندگی میں اس سوال کو نہ اٹھایا جائے اور اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے جناب میاں محمود احمد اور میر ناصر نواب صاحب سے اقرار لیا کہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ پھر حضرت مولانا محمد علیؒ اور حضرت خواجہ کمال الدینؒ سے ایک طرف اور شیخ یعقوب علی صاحب اور میر محمد اسحاق سے دوسری طرف بیعت لی اور اس کا منشاء سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ میری زندگی میں میری اطاعت کی جائے۔ حضرت بانی سلسلہ

احمدیہ کی بیعت کرنے والے لوگوں کو مولانا نورالدینؒ کی نئے سرے سے نہ صرف ایک بار بلکہ دوسری بار بھی بیعت کرنا پڑی۔

بہرحال حضرت مولانا نورالدینؒ نے کبھی اپنے آپ کو ان معنوں میں خلیفہ نہیں منوایا جن معنوں میں میاں محمود احمد صاحب نے بعد میں منوایا۔ اور نہ کبھی انجمن کے فیصلوں کو توڑا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انجمن کے قواعد و ضوابط وہی رہے جو حضرت صاحب نے بنائے تھے اور جن کو میاں محمود احمد صاحب کو خود خلیفہ بنتے ہی بدلنے کی ضرورت پڑ گئی۔

بظاہر اس جھگڑے کو یہاں ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ چونکہ میاں محمود احمد صاحب اور اُن کے ہم خیال لوگوں کو اپنے اصلی مقصد میں کامیابی نہ ہوئی، اس لئے اس جھگڑے کو بار بار جگانے کی کوششیں ہوتی رہیں اور حضرت مولانا نور الدینؒ کو یہ کہا جاتا رہا کہ یہ لوگ اندرونی طور پر آپ کی اب بھی مخالفت کرتے ہیں اور حضرت مولانا محمد علیؒ اور ان کے ہم خیال احباب کو جماعت سے نکال دینے کی تحریک کی۔ بھڑکانے اور بدظنی پیدا کرنے کے لئے نہ صرف اٹھتے بیٹھتے طرح طرح کے حربے استعمال کیے گئے بلکہ سوتے میں خواب بھی اسی نوع کے دیکھے جانے لگے۔ اور ان خوابوں کی تشہیر بھی خوب کی گئی۔ افتراق اور بدگمانیوں کی اس افسوسناک صورتحال میں حضرت مولانا نورالدینؒ کو لکھنا پڑا کہ:

''نواب میر ناصر، محمود احمد بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا اب تک لگی ہوئی ہے، یا اللہ نجات دے'' آمین

یہ فقرہ حضرت مولانا نورالدینؒ کے اس خط کا ہے جو انہوں نے ان لوگوں سے تنگ آ کر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء کو (جبکہ وہ انگلستان میں تھے) اپنے دردِ دل کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔ اس خط کا عکس اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

دوسرا حربہ جو میاں محمود احمد صاحب کی خلافت کی بنیاد ڈالنے کے لئے استعمال کیا، وہ یہ تھا کہ جماعت میں میاں صاحب کے علم اور تقویٰ کا ایک پروپیگنڈا شروع کر دیا گیا تا کہ مولانا نورالدینؒ کے بعد قوم کی نظر انتخاب کسی اور شخص پر نہ پڑے۔ میاں صاحب کے نانا میر ناصر نواب صاحب ''دارالضعفا'' کے چندے کے بہانے شہر بہ شہر دورے کرتے رہے اور مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے اور اسی طرح میاں صاحب کے تیار کردہ دیگر مبلغین بھی یہی کام کرتے رہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے عوام پیر پرستی کی لعنت میں بُری طرح جکڑے ہوئے تھے اور رسوم اور توہمات کے مرید تھے۔ اور حضرت صاحب کے کارناموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے پیری مریدی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان کے بعد مولانا نورالدینؒ کا بھی یہی رنگ تھا اور یہ اس جماعت کی ایسی خصوصیت تھی جو غیر احمدی لوگوں پر بہت اثر ڈالتی تھی لیکن میاں محمود احمد صاحب کے لئے جو خلافت تیار کی جارہی تھی، وہ اس سے مختلف تھی، اس کا ثبوت ایک باہر کے غیر جانبدار شخص کی زبانی سنیے۔ امرتسر کے ایک صاحب محمد اسلم جو احمدی نہ تھے قادیان دیکھنے کے لئے آتے ہیں اور کیا اثر لے کر جاتے ہیں۔ مولانا نورالدینؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''جہاں تک میں نے دو دن کی مجالس وعظ اور درس قرآن شریف میں رہ کران کے کام کے متعلق غور کیا مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور خالصتہً للہ اصول پر نظر آیا۔ مولوی صاحب کا طرزِ عمل ریا اور منافقت سے پاک ہے اور ان کے آئینہ دل میں صداقتِ اسلام کا ایک زبردست جوش ہے۔۔۔۔ مگر حقیقی اسلام قرآن مجید ہے تو قرآن مجید کی صادقانہ محبت جیسی مولوی صاحب میں مَیں نے دیکھی اور کسی میں نہیں دیکھی۔ یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا ہے بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے اور نہایت زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے حیرت اس بات کی ہوئی ہے کہ ایک اُسی سالہ بوڑھا آدمی صبح سے شام تک لگاتار کام کرتا ہے۔۔۔ مولوی صاحب کی تمام حرکات و سکنات میں صحابہؓ کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے۔''

پھر یہ صاحب لکھتے ہیں کہ پیر پرستی کی لعنت مولانا نورالدین صاحب کی

مجالس میں کسی جگہ نہ تھی لیکن دوسرا رُخ انہی کی زبانی سنیے۔

''ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی بنیاد آئندہ قادیان میں قائم ہوجانے کے متعلق مجھے نظر آئی۔ وہ الحکم کے ایڈیٹر کا مطبوعہ اشتہار تھا جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا ہے۔ جو صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے سفرِ حج سے بخیریت واپس آنے کی مبارک باد کے لئے شائع کیا گیا ہے، جس کا مفہوم ۔۔ سیاقِ عبارت سے پیر پرستی کے خدوخال نمایاں کر رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ کیوں ایسے اشتہار کی اشاعت اس حد تک جائز رکھی گئی کہ وہ بہت دنوں سے خدا پرست قادیان کی دیواروں سے چمٹا ہوا ہے ۔۔۔ اس کو دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہوگیا ہے کہ کہیں یہ پیر پرستی کی خاموش چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے قادیان کو بھسم نہ کر ڈالے، جو غالباً مولوی نورالدینؒ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے انتظار میں ہے۔''

(اخبار بدر مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء ص۹)

غرض یہ کہ ایک غیر جانبدار دیکھنے والے کو بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ میاں محمود احمد صاحب کو کیا مقام دلانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ان دنوں میں جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب پنجاب و ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لیکچر دیا کرتے تھے تو اسی سے ان کی شہرت ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔

جھنگ کے ایک جلسہ عام میں خواجہ کمال الدین صاحب نے جو اعلان کیا کہ ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان کہتے ہیں تو میاں محمود احمد صاحب نے اس کی تردید میں رسالہ تشحیذ الاذہان میں اپریل ۱۹۱۱ء میں وہ مضمون تکفیر مسلماناں پر لکھا جس کے ذریعے تمام دنیا کے مسلمانوں کو خواہ انہوں نے حضرت صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو یا آپ کو دل سے مانتے بھی ہوں مگر بیعت نہ کی ہو کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیا۔ سچ پوچھو تو یہی مضمون تھا جس نے جماعت کی جڑ پر کلہاڑا رکھ دیا اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا مگر خلافت کے حصول کے لئے ایک مضمون لکھ دینا کافی نہ تھا میاں صاحب نے فوراً ایک پارٹی بنائی جس کا نام ''انصار اللہ'' رکھا اور جس کے لیڈر خود بنے اور پروپیگنڈا جاری رکھا۔ اس فتنہ نے یہاں تک زور پکڑا کہ مولانا نورالدینؒ نے بستر علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو میاں محمود احمد صاحب نے نہیں سمجھا اور اس مسئلہ کو صاف کرنے کی خدمت مولانا محمد علیؒ کو تفویض فرمائی تو میاں صاحب نے غضب ناک ہو کر ۲۵ فروری ۱۹۱۴ء کے ''الفضل'' میں ایک مضمون لکھا کہ: ''خلیفہ کا فتویٰ کیا چیز ہے، جس کو فتوے کی ضرورت ہو ہمیں ایک پیسے کا کارڈ لکھ دے، ہم حضرت صاحب کی کتب سے اُسے فتویٰ نکال کر بھیج دیا کریں گے''۔ یہی انصار اللہ پارٹی تھی جسے حضرت مولانا نورالدینؒ کی وفات سے پہلے قادیان میں جمع کیا گیا تا کہ خلافت کے حصول کے لئے ان سے پوری پوری مدد لی جائے۔

حضرت مولانا نورالدینؒ نے اپنے بسترِ علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے فرمایا تھا کہ ''مسئلہ کفر و اسلام کو ہمارے میاں نے بھی نہیں سمجھا'' اور مولانا محمد علیؒ کو اس کی وضاحت کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا چنانچہ مولانا محمد علیؒ نے اس پر ایک مضمون تصنیف فرمایا جو کہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو قادیان میں ہی چھپ کر شائع ہوا۔ اس میں میاں محمود احمد صاحب کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ نے ایک ٹریکٹ ''ایک نہایت ضروری اعلان، شائع فرمایا اس میں آپ نے لکھا ہے:

''مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ ہی حضرت صاحب کی صحیح جانشین ہے اور یہ کہ مسئلہ کفر و اسلام میں خدا سے ڈر کر منہ سے لفظ نکالو، اور حضرت صاحب کے صحیح عقیدہ کو پہچانو جنہوں نے اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو کبھی کافر نہیں ٹھہرایا اور حضرت مولانا نورالدینؒ کی جانشینی کے مسئلہ کو سوچ سمجھ کر قومی مشورے سے طے کرو۔''

حضرت مولانا نورالدینؒ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن وفات پا گئے تھے۔ اسی دن بعد نماز عصر مولانا محمد علیؒ نے میاں صاحب سے کہا کہ اس وقت جماعت میں مسئلہ کفر و اسلام کی وجہ سے دو فریق علی الاعلان ہو چکے ہیں، اس لئے آئندہ کے لئے جو نظام ہوگا وہ غور طلب ہے اور کوئی ایسی صورت سوچنی چاہیے کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے۔ میاں صاحب نے مولانا صاحب کی باتوں کا جواب یہ دیا کہ ایک خلیفہ منتخب کر لیا جائے جس کے ہاتھ پر دونوں فریق بیعت کر لیں اور جو وہ کہے مانیں، اسی صورت میں اتحاد رہ سکتا ہے۔ جواباً مولانا محمد علیؒ نے کہا کہ یہی تو وہ وقت ہے کہ دونوں فریق ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

وہ کم از کم ایسے شخص کو اپنا مرشد نہیں مان سکتے جو اہل اسلام کی تکفیر کا فتویٰ دیتا ہو اور علیٰ ہذا القیاس دوسرا فریق کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کسی طرح بیعت کر سکتا ہے جو اُن کے نزدیک اتنے اہم معاملہ میں غلطی پر ہے۔ باتوں باتوں میں مولانا محمد علیؒ نے میاں صاحب کو کہا کہ اس مشکل کا حل اس طرح پر دیا کہ اس وقت ایک امیر کا انتخاب کر لیا جائے اور بیعت کو لازمی قرار نہ دیا جائے۔ جو شخص چاہے بیعت کرے، جو نہ چاہے نہ کرے۔ جب اس واقعہ پر کچھ وقت گذر جائے تو مسئلہ کفر و اسلام پر فریقین اپنی اپنی دلیلیں پیش کریں، اس طرح سے ممکن ہے کہ دلائل کا غلبہ ایک طرف دیکھ کر ساری جماعت ایک ہی مسلک اختیار کرے۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہ کرے وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکتا، اس لئے یہ ناممکن ہے۔

نمازِ عصر کے بعد اجتماع مسجد نور میں ہوا تھا، جس میں مولوی محمد علیؒ نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو حافظ روشن علی سیکرٹری انصار اللہ پارٹی اور شیخ یعقوب علی تراب نے جو اس موقع کے منتظر تھے چلاّ کر کہا کہ ہم نہیں سننا چاہتے اور ایک دم میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور ساتھ ہی اس قدر اچھل کود مچی کہ الامان۔ اور ''تختِ خلافت مبارک'' اور ''ایوانِ خلافت مبارک'' کے نعرے لگنے لگے۔

اس کے بعد گورنمنٹ اور باہر کی جماعتوں کو غلط تاریں بھیجی گئیں کہ میاں محمود احمد صاحب بالاتفاق خلیفہ چن لئے گئے ہیں اور تمام اطراف میں کثرت سے آدمی بھیج دیئے گئے، جنہوں نے دور افتادہ ناواقف احمدیوں سے تحریری بیعت پر دستخط کروا کے قادیان کو روانہ کیا۔ اور جس غلط پروپیگنڈا سے جماعت کو مغالطے میں ڈال ڈال کر سمیٹا گیا وہ ایک لمبی داستان ہے۔

معلوم ہوا کہ دونوں جماعتوں میں اختلاف دراصل میاں صاحب کے عقیدہ تکفیر کی وجہ سے ہوا۔ پھر میاں صاحب نے حضرت صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا۔ اور اسمہٗ احمد (الصّف :۶) والی آیتِ قرآن کو حضرت صاحب پر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ ان تمام باتوں کی تردید مولانا محمد علیؒ کی طرف سے بار بار کی گئی۔ تحریری، تقریری، مباحثہ، مناظرہ اور مباہلہ تک کی دعوتیں دی گئیں۔ مگر جماعت قادیان اس وقت پیر پرستی کی ایک ایسی رو میں بہہ چکی تھی کہ اس کی اصلاح ناممکن ہوتی گئی۔ جماعت لاہور کی طرف سے ۷۰ احمدیوں کی جنہوں نے ۱۹۰۱ء میں پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی تھی، حلفیہ شہادتیں شائع کی گئیں کہ حضرت صاحب نے ۱۹۰۱ء میں اپنے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی مگر اس کے مقابل پر میاں صاحب ایک آدمی کی بھی شہادت اس کے خلاف پیش نہ کر سکے۔

میاں صاحب تکفیر اہل اسلام پر بحث سے کتراتے تھے جبکہ اصل اختلاف دونوں جماعتوں کا تکفیر کے مسئلہ پر ہوا تھا۔ اور میاں محمود احمد صاحب کا مشہور مضمون ''مسلمان وہ ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے'' اس اختلاف کی بنیاد تھی۔ احباب لاہور کی میاں صاحب کی بیعت نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے تکفیر اسلام کا عقیدہ ایجاد کر لیا تھا۔ میاں صاحب نے اپنی کتاب آئینہ صداقت کے ص ۳۵ پر لکھا تھا کہ ''کل مسلمان جو حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔

میاں صاحب کے ''قیام خلافت'' کے بعد مولانا محمد علیؒ مزید کچھ عرصہ قادیان میں رہے۔ ۷ مارچ ۱۹۱۴ء کو آپ نے ''پیغام صلح'' میں اعلان شائع فرمایا کہ دین و ایمان کا معاملہ ایسا نہیں جس میں جلد بازی سے کام لیا جائے لیکن ہمارا سلسلہ مسلمانوں کی تکفیر پر جمع نہیں ہو سکتا۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی اپنے نہ ماننے والوں کو اپنے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا۔ اور یہی مذہب حضرت مولانا نور الدینؒ کا تھا، جنہوں نے اپنے آخری ایام میں میاں محمود احمد صاحب کو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے مولانا محمد علیؒ ایسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتے جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہو اور ۱۹ مارچ کے اخبار میں آپ نے فرمایا:

''اہل قبلہ کی تکفیر وہ امر ہے جس کے لئے حضرت صاحب نے اپنے مخالف مولویوں کو سخت ملزم قرار دیا ہے۔ آہ! آج وہ بات جس کے لئے دوسروں کو ملزم قرار دیا گیا تھا اس کا ارتکاب ہم خود کر رہے ہیں''۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد علیؒ ۲۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے۔

(جاری ہے)

مولانا حکیم نورالدین رحمتہ اللہ علیہ اور
مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ

عبداللہ احمد

پیغام صلح کے گذشتہ شمارے میں ''مولانا عبیداللہ سندھی اور احمدیت'' کے حوالہ سے ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب کا مضمون شائع ہوا۔ ماشاء اللہ انہوں نے موضوع کی مناسبت سے کئی حوالے اکٹھے کر دیئے۔ ''افادات و ملفوظات'' کے حوالے سے چند مزید اقتباسات قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں۔

☆ اس ضمن میں مولانا شہاب الدین صاحب کا ایک واقعہ سنئے۔ مولانا کا ابھی پچھلے دنوں لاہور میں انتقال ہوا ہے۔ آپ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے والد بزرگوار تھے اور دیوبند میں مولانا سندھی کے ہی زمانے میں تھے۔

''مولانا شہاب الدین نے بتایا کہ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد میں حکیم نورالدین سے طب پڑھنے قادیان گیا۔ اس دفعہ مولانا سندھی بھی میرے ساتھ تھے۔ مولانا کا حکیم صاحب سے پہلے تعارف تھا۔ ہم جب قادیان پہنچے تو مولانا سندھی نے حکیم صاحب سے ''بیہقی کی دلائل النبوۃ'' مانگی، جو انہیں مطالعہ کے لئے مل گئی۔ مولانا شہاب الدین نے فرمایا حکیم صاحب کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا اور اس میں نادر کتابیں تھیں۔ گو مولانا شہاب الدین حکیم صاحب کی قادیانیت کی وجہ سے ان سے سخت ناراض تھے۔۔۔ لیکن وہ ان کی ذاتی شرافت، وسعت اخلاق اور علم دوستی کے معترف تھے۔''

(افادات و ملفوظات۔ ص34)

''مولانا عبیداللہ سندھی، حکیم صاحب کے تبحر علمی اور خلوص نیت کے بڑے قائل تھے۔'' (ایضاً۔ ص310)

''مولانا سندھی ان کی عظمت کے برابر قائل رہے۔ راقم الحروف (پروفیسر محمد سرور) کا خیال ہے کہ مولانا جب ان سے ملنے قادیان جاتے تھے تو وہ ان کی قرآن فہمی اور قرآن سے ان کی غیر معمولی محبت سے بہت متاثر ہوتے اور پھر یہ کہ مولانا سندھی کی طرح حکیم نورالدین بھی شاہ ولی اللہ کے خانوادۂ علمی کے گرویدہ وشیدا تھے۔'' (ایضاً۔ ص311)

''مولانا عبیداللہ سندھی نے فرمایا مولوی نورالدین رحمتہ اللہ علیہ بے نظیر اور صاحب فضل شخص تھے۔۔۔۔ مولوی نورالدینؒ قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ انہیں قرآن سے انتہائی شغف تھا۔ انہیں یہ لگن تھی کہ جس طرح بھی ہو قرآن کی اشاعت ہو۔ اس کی خوبیوں سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔ انہیں قرآن کی دعوت دی جائے اور انہیں قرآن کے اصولوں پر اپنی زندگیاں ڈھالنے پر آمادہ کیا جائے۔ مولوی صاحب کے اندر یہ تڑپ تھی، انہیں اس بات کی لو لگی ہوئی تھی۔۔۔۔ بے شک ان میں علم تھا، ان کی نظر وسیع تھی، وہ حقیقت شناس دل اور دماغ کے مالک تھے۔۔۔۔ مولوی نورالدین صاحب بے تاب تھے کہ کس طرح قرآن کی دعوت کو عام کریں۔'' (ایضاً۔ ص401-400)

''ایک اور موقع پر مولانا نے فرمایا میں مولوی نورالدینؒ کو واقعی بڑا آدمی سمجھتا ہوں، میں ان کے علم، تفقہ فی الدین، خلوص، ایثار، بے غرض خدمت دین اور سب سے بڑھ کر ان کا اپنے آپ کو ایک مقصد کے لئے وقف کر دینا۔ ان چیزوں کا میں بڑا معترف ہوں۔'' (ایضاً ص402)۔ ''وہ صحیح معنوں میں اس طرح جہاد بالقرآن کرنا چاہتے تھے۔'' (ایضاً ص403)

''احمدیت میں نورالدین کی یہی عقلیت تو سب کچھ ہے۔ اگر احمدیت سے ان کو نکال دیا جائے تو پھر تو یہ تحریک کسی قابل بھی نہیں رہتی۔۔۔۔ احمدیوں کا دو جماعتوں میں بٹ جانا دراصل مولوی صاحب کی ذہنیت والوں کا عامہ جماعت سے الگ ہو جانا تھا۔ لاہوری جماعت، مولوی نورالدینؒ کی ذہنیت کی ترجمان ہے۔'' (ایضاً ص404)

(بقیہ صفحہ نمبر 22)

ماضی کے دریچوں سے

علامہ اقبالؒ اور جماعت احمدیہ لاہور

احمدیہ انجمن ۔۔۔ لاہور کے تیرھویں سالانہ جلسہ کی مختصر رُوداد

24دسمبر1926ءکوعلامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب بیرسٹرایٹ لا کے زیرصدارت ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مختلف مذاہب کے نمائندگان نے ''ذات باری تعالیٰ کے تصور'' پراپنے اپنے مضامین پڑھ کرسنائے، چونکہ علامہ موصوف ٹھیک وقت پر نہیں پہنچ سکے تھے اوران کی طرف سے اطلاع موصول ہوگئی تھی کہ وہ تشریف لارہے ہیں۔ اس لئے ان کی تشریف آوری تک جناب خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری انگلستان فرائض صدارت انجام دیتے رہے۔ جناب خواجہ صاحب نے اپنے خطبہ میں سب سے پہلے سوامی شردھانند صاحب کے قتل پراظہارافسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ جس مسلمان نے یہ فعل کیا ہے اس نے بہت بُرا کیا۔ اسلام اختلاف رائے کی بناء پرایسے سنگین افعال کی اجازت نہیں دیتا۔ بعد میں فرمایا کہ یوں تو فاضل مقررین جو چاہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنا اپنا نکتہ خیال سے یہاں آکر بیان کریں لیکن میری اپنی پسند یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی وہ اعلیٰ صفات بتانی چاہئیں جن سے متاثر ہوکر ہمارے اندر محبت کے جذبات پیدا ہوں اور ہم آپس میں صلح وآشتی سے رہ سکیں! سب سے پہلے آریہ سماج کے نمائندے پنڈت چمپومتی، ایم۔اے کا مضمون پڑھا گیا۔ اس کے بعد مسٹر یو۔این۔ بال۔ ایم۔اے برامھ سماجی نے اپنا مضمون پڑھا۔ جس میں برامھ سماج کا یہ اصول بیان کرنے کے بعد کہ تمام مذاہب کے بزرگوں اور کتابوں کی تعظیم کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی اعلیٰ صفات کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سردار ہرنام سنگھ صاحب، ایم۔اے نے سکھ مذہب کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنا مضمون سنایا۔ جس میں سب سے زیادہ زوراس امر پرتھا کہ سکھ مذہب کا اصل الاصول توحید الٰہی ہے اور خدا ہر چیز کا یہاں تک کہ مادہ اور روح کا بھی خالق ہے۔ پھرعیسائیوں کے نمائندے پادری علی بخش صاحب نے اپنا مضمون سنایا۔ آخر میں اسلام کے نمائندے مولانا صدرالدین صاحب، بی۔اے۔بی۔ٹی نے اپنا مضمون پڑھا جس میں بتایا کہ قرآن کریم نے خدا تعالیٰ کی صفات صحیحہ کا علم دے کران تمام تنگ خیالیوں کا خاتمہ کردیا۔ جو خدا تعالیٰ کی صفات کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اہل مذاہب میں پائی جاتی تھیں۔

علامہ اقبالؒ نے آخر میں ایک مختصر سی تقریر کی جس میں احمدیہ انجمن ۔۔۔ لاہور کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ یہ انجمن جو خدمت اسلام کے لئے بنائی گئی ہے نہایت مفید کام کررہی ہے۔ اس کا یہ کام بھی جو اس نے مختلف الخیال لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی ہے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اس قسم کے جلسے کثرت سے ہونے چاہئیں۔ ان سے ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کے قابل ہوسکیں گے۔ (ایڈیٹر پیغام صلح 26دسمبر1926ء)

☆☆☆☆

آنحضرتؐ کے صدق دعویٰ پر دو قسم کی شہادت

مولانا عبدالحق ودیارتھی رحمتہ اللہ علیہ

’’کافر اعتراض کرتے ہیں۔ تُو اللہ کا رسول نہیں، انہیں جواب دو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے اللہ کی اور اس شخص کی شہادت کافی ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے‘‘۔(الرعد:۴۳)

ایک قوم کا سوشل ارتقاء جب اس درجہ پر نہیں پہنچ جاتا کہ اس کے باہمی جھگڑے نپٹانے کے لئے کسی منظم حکومت کی ضرورت پیش آجائے اس وقت تک قانون کی کوئی معقول تشکیل صورت پذیر نہیں ہوتی۔ اسی طرح انبیاء کی صداقت کے دلائل بھی قوموں کے ذہنی ارتقاء کے مطابق ہوتے رہے ہیں۔ از منہ قدیم میں لوگ اپنی صداقت کا ثبوت قسم کھانے، ہاتھ میں آگ اٹھانے یا آگ میں کود پڑنے، پانی کے گرداب سے بچ نکلنے، بلند پہاڑ سے صحیح و سلامت نیچے پھلانگ جانے، غیب دانی، جادو اثر منتروں اور شعبدات دکھانے سے دیا کرتے تھے ایسی صورت میں دیکھنے اور پرکھنے والوں کی حیثیت فال اور قسمت بتانے والی کل کی ہوتی تھی۔ انہیں دعویٰ کی سچائی پرکھنے کے لئے غور وفکر کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ ہندو مذہب اور بہت سے قدیم مذاہب میں بزرگوں کی صداقت اسی قسم کے معیاروں پر دیکھ لی جاتی تھی۔ جناب زرتشت کے سوانح میں لکھا ہے کہ خداوند عالم نے اپنا نور ایک بلند پہاڑ پر بھیجا جہاں اس نے ایک درخت کی شکل اختیار کرلی۔ زرتشت کے والد کی گائے اسی درخت کی پتیاں چرتی تھی اور وہ اس کا دودھ پیتے تھے۔ اس طرح جس خون سے پیغمبر ایران کی پیدائش ہونے والی تھی اس میں خدا کا نور بدرجہ اتم مل گیا تھا۔ ابھی زرتشت پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ اہرمنوں کو ان کے قتل کی فکر ہوئی۔ پیدائش کے بعد شیاطین نے زرتشت کو بہت پریشان کیا کبھی اسے آگ میں پھینک دیتے کبھی بھیڑیوں کے سامنے ڈال دیتے لیکن ہر موقع پر وہ محفوظ رہے۔ مسیح اور بدھ کی پیدائش پر اسی قسم کے معجزات واقع ہونے بیان کئے ہیں۔ سیتاجی نے اپنی صداقت کا ثبوت آگ ہاتھ میں اٹھانے سے دیا تھا۔

اسلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و دعویٰ پر اس قسم کی کوئی کرامت پیش نہیں کی اگر اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی کا معیار اس کے قانون کی معقولیت ہوتا ہے تو قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا جو معیار پیش کیا ہے۔ اس پر غور کیجئے۔ آیت مندرجہ عنوان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دو عظیم الشان شاہد پیش کئے ہیں اور ان کی شہادت کو کافی قرار دیا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی شہادت دوسری عالم کتاب کی شہادت۔

قانون شہادت میں شاہد کی اہمیت اور شہادتِ علمی دو ہی امر قابلِ لحاظ ہوتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شہادت کی اہمیت اس امر سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود آپ کے حق میں شاہد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شہادت

اللہ تعالیٰ کی شہادت سے بالعموم صحیفہ قدرت کی گواہی، غیر معمولی نصرت الٰہیہ اور وہ سنت خداوندی مراد لی گئی ہے جو ہمیشہ ہر صادق کی صداقت کا نشان رہی ہے۔ صحیفہ قدرت کی شہادت یہ ہے کہ کائنات عالم کا چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ اور بڑے سے بڑا اجرم قانون سے خالی نہیں۔ ’’ہمارا رب وہ

ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اسے ہدایت دی ہے‘‘ (طٰہٰ:۵۰)

قانونِ الٰہی کی یہ ہمہ گیری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق دعویٰ پر ایک بہت بڑی شہادت ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے وحی الٰہی کے عالمگیر ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ صحیفہ قدرت کا ہر ورق اور کائنات عالم کا ہر ذرّہ اپنے قیام اور ترقی کے لئے اس قانون کا محتاج ہے۔ جو اس کے اندر خالقِ کائنات کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ اس حکیم مطلق اور رب العالمین نے جب ایک ذرّہ سالمہ کو بھی قانون عطا کیا ہے تو یقیناً انسان جو قدرت ربانی کی ایک بہترین صنعت ہے اور اس کی ترقیات کا میدان بھی لامحدود نظر آتا ہے اپنے قیام و بقا اور ارتقاء کے لئے ہدایت نامہ اور طریق عمل کا محتاج ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

’’اپنے رب کے اس اعلیٰ نام کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا، درست بنایا جس نے اندازہ مقرر کیا اور ہدایت دی‘‘ (الاعلیٰ:۱۔۲)

الہام الٰہی کا کسی خاص زمانہ، کسی خاص قوم کے ساتھ مختص ہونا نہ صرف رب العالمین کے انصاف اور رحم پر کلنک کا ٹیکا لگاتا ہے بلکہ مذہب کی اہمیت اور ضرورت کو بھی ہماری نظر سے گرا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں مذہب کوئی ضروری چیز معلوم نہیں ہوتی جسے بالالتزام تمام اقوام تک پہنچایا جائے۔ یا زمانے کی دستبرد سے اگر اس میں تغیر و تبدل واقع ہوگیا ہو تو پھر کسی نئے نبی کی معرفت پاک اور صاف کر کے نسل انسانی کی زندگی کا از سرِ نو موجب بنایا جائے، اگر دنیا کی ایک مخصوص قوم کے سوا کل اقوام عالم مذہب کے بغیر اپنا وجود دنیا میں قائم رکھ سکتی تھیں اور بغیر الہام اور وحی یا مصفّا قانونِ الٰہی نیکی اور تقویٰ کے وہ اعلیٰ نمونے پیدا کر سکتی تھیں۔ جو دنیا میں کبھی زرتشت کبھی بدھ، ابراہیم، موسیٰ کرشن اور کبھی عیسیٰ مسیح کے نام سے مشہور ہوئے تو پھر اصلاح و ہدایت خلق کے لئے کسی ایک قوم اور ملک کو مخصوص کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور اگر خدا ہی کچھ اس قسم کا خدا ہے کہ اس کی جزا اور سزا کا قانون بلاوجہ معقول، اپنے اور پرائے کی تفریق پیدا کر کے اپنی اکلوتی محبوب قوم کو قانون سے واقفیت دیتا ہے۔ مگر دوسروں کو اپنے بندے نہ سمجھ کر بلاوجہ اندھیرے میں رکھتا اور ہلاک کرتا ہے تو ایسا خدا ماننے کے قابل نہیں۔ وہ یقیناً اندھیر نگری کا چوپٹ راجہ ہے۔ جس کو ماننے سے نہ ماننا ہی بہتر ہے۔ یہ مضمون ایک نہایت ہی وسیع مضمون ہے اس پر جتنا بھی غور کیا جائے یہی بات زیادہ وضاحت سے کھلتی جاتی ہے کہ مذہب کی ضرورت صرف اسی صورت میں ہے جسے اسلام نے پیش کیا ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں وقتاً فوقتاً نبی مبعوث ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمانیت نے اقوام عالم میں سے کسی قوم کو سچے مذہب سے کسی وقت بھی محروم نہیں رکھا یا مذہب بطور ایک حقیقتِ ثابتہ کے ہر قوم اور ہر زمانے میں پایا جائے اور اس سچے مذہب کے پیرو اس کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھیں۔ دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کی تبلیغی جدوجہد کو روک نہ سکے، قوموں میں زلزلے آئیں۔ طوفان اُٹھیں، حق و باطل کی آویزش سے کشت و خون کے دریا بہہ جائیں۔ یہاں تک کہ انسان یہ سمجھ لے کہ مذہب اور طریق حق کے قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ورنہ تبلیغ مذہب میں رازداری اور ایک دوسرے کے کان میں منتر پھونکنا کہ اصولِ مذہب اور عقائد دین سے کسی کو اطلاع نہ ہو ضرورت مذہب کو باطل ٹھہرانا ہے۔

صرف آنحضرت صلعم پر ایمان مذاہب عالم میں اتحاد پیدا کرتا ہے

’’یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول مبعوث کیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو‘‘ (النحل:۳۶) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو انبیاء عالم میں بہت خصوصیات حاصل ہیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضور نے تمام انبیاء عالم کی تصدیق کی، ان پر ایمان لانا

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورہ ٹرینیڈاڈ کی چند جھلکیاں
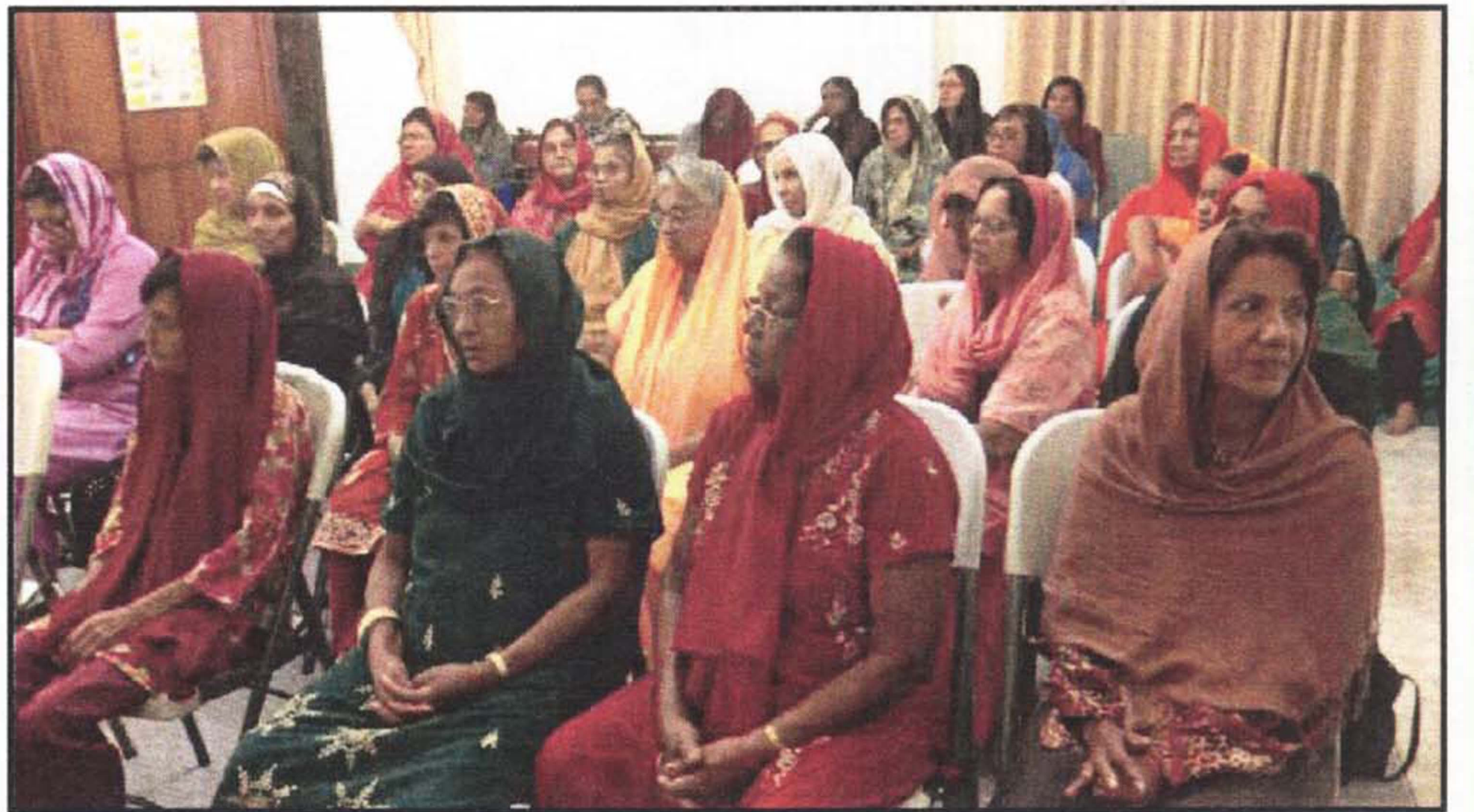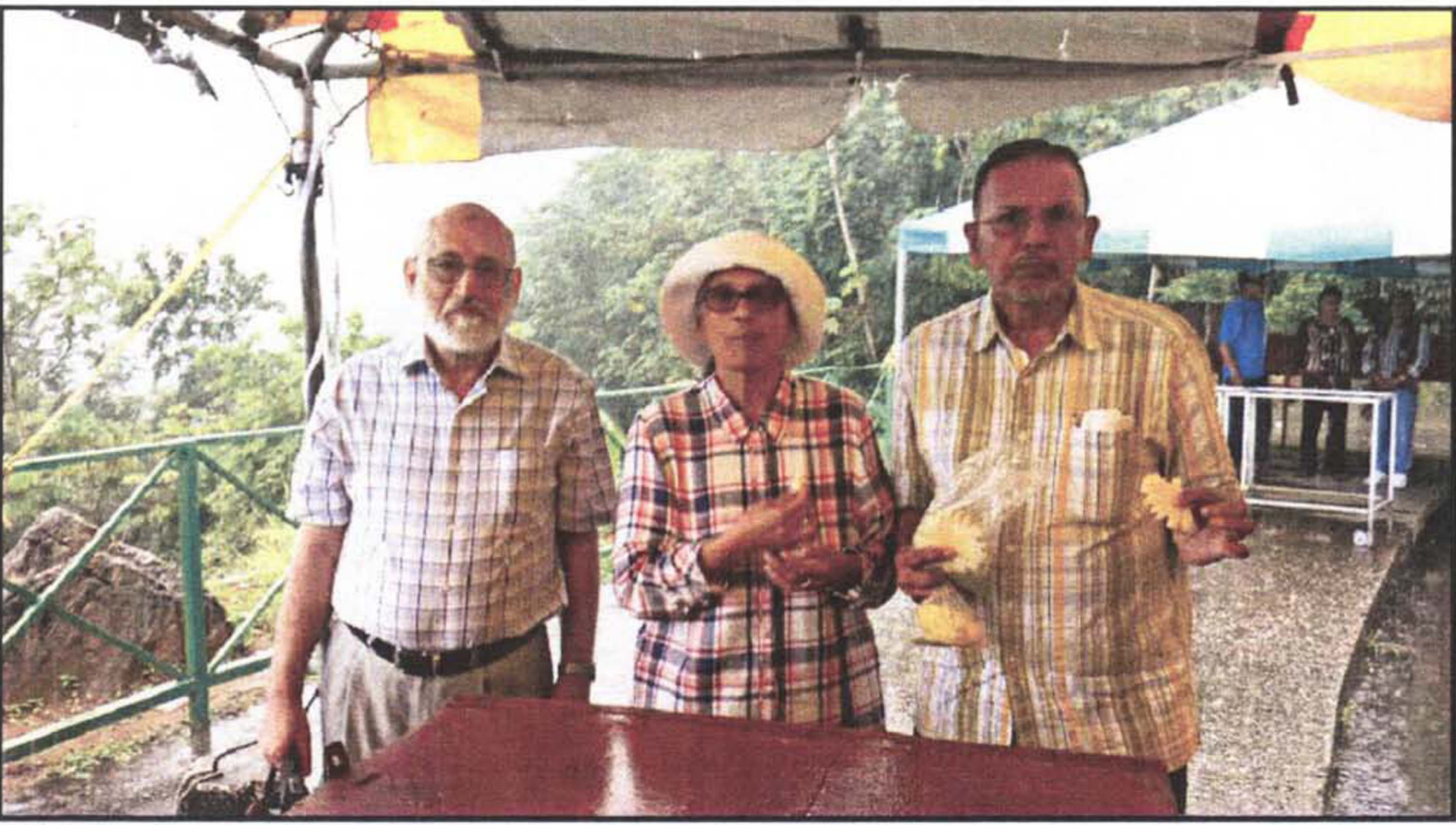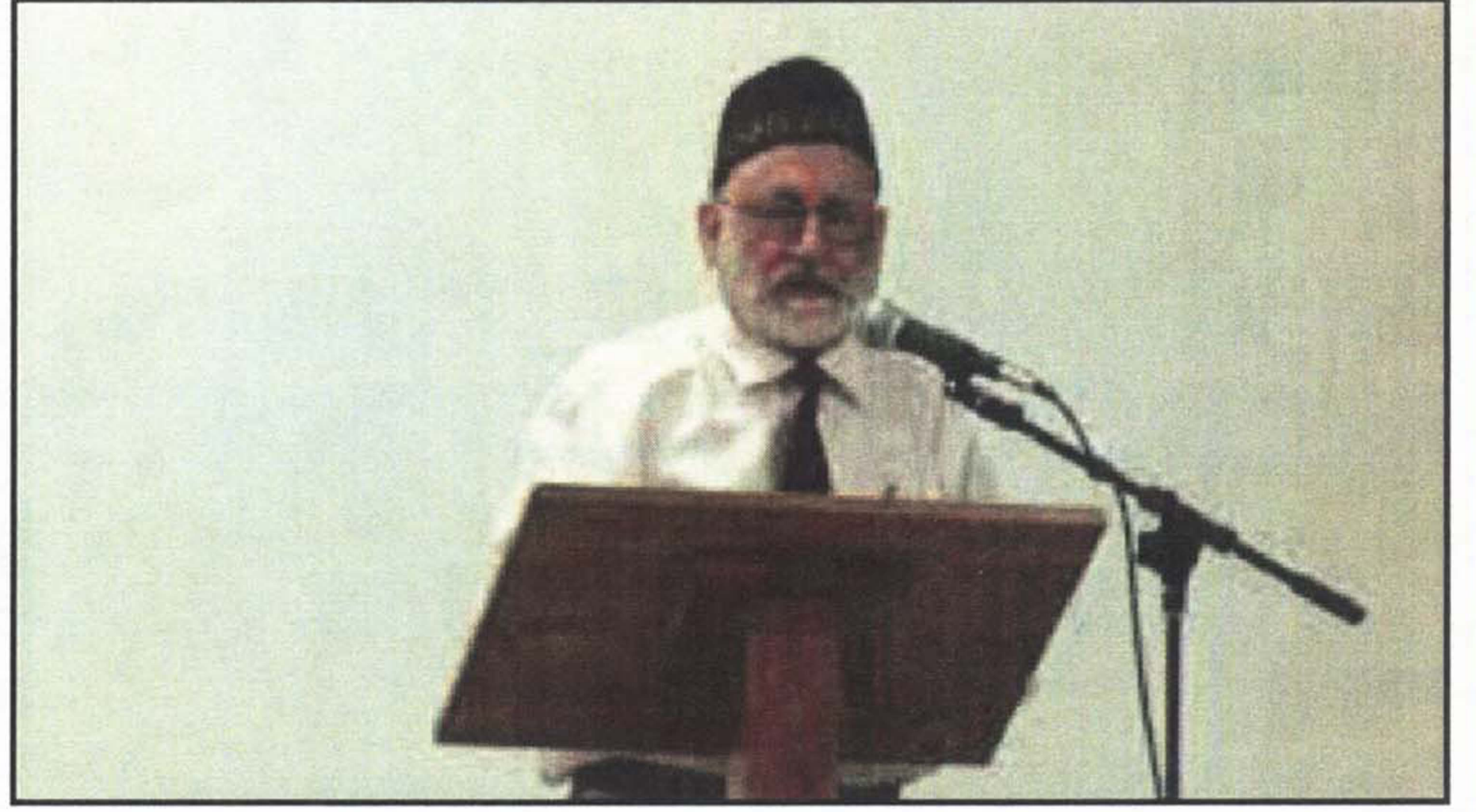
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورہ ٹرینیڈاڈ کی چند جھلکیاں
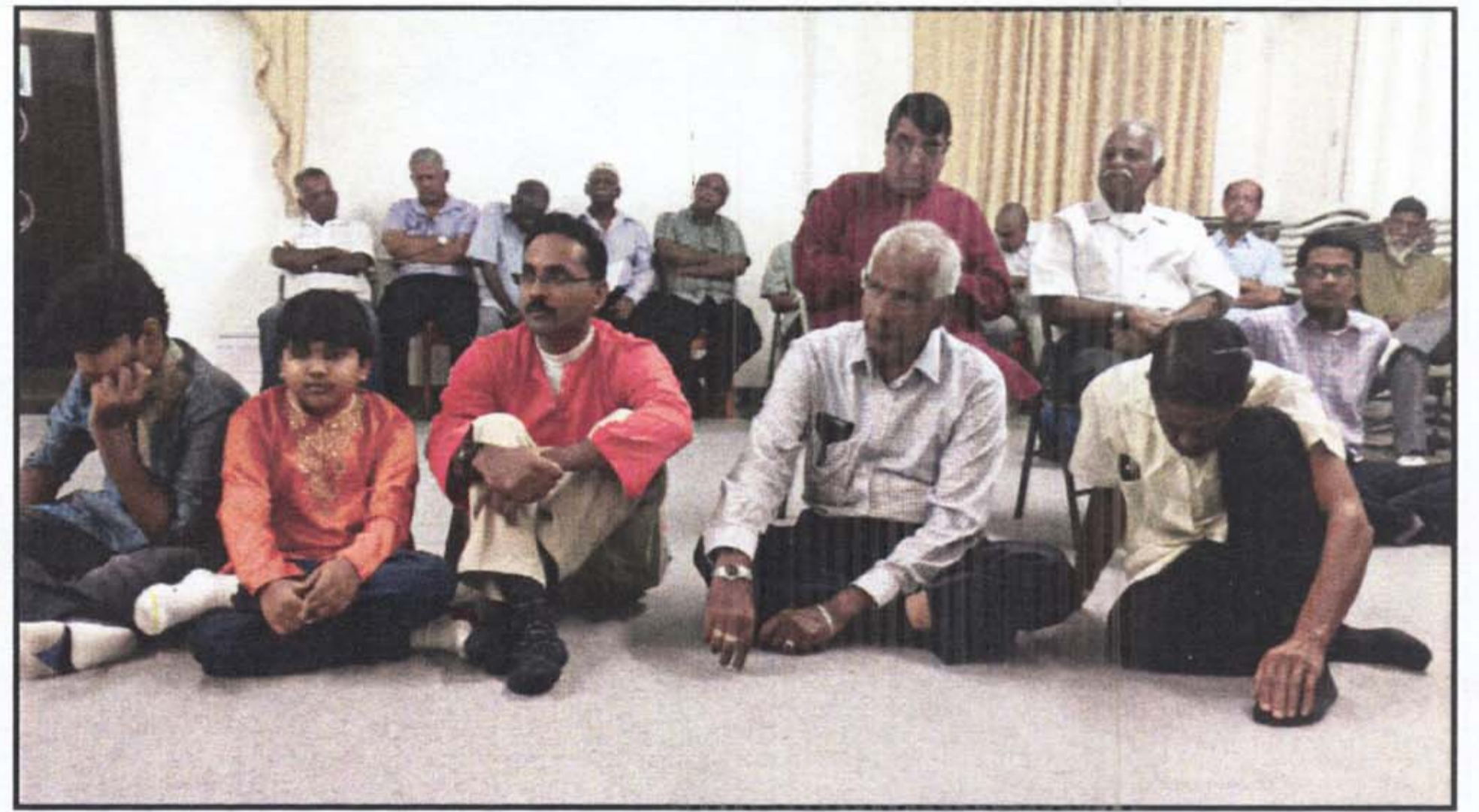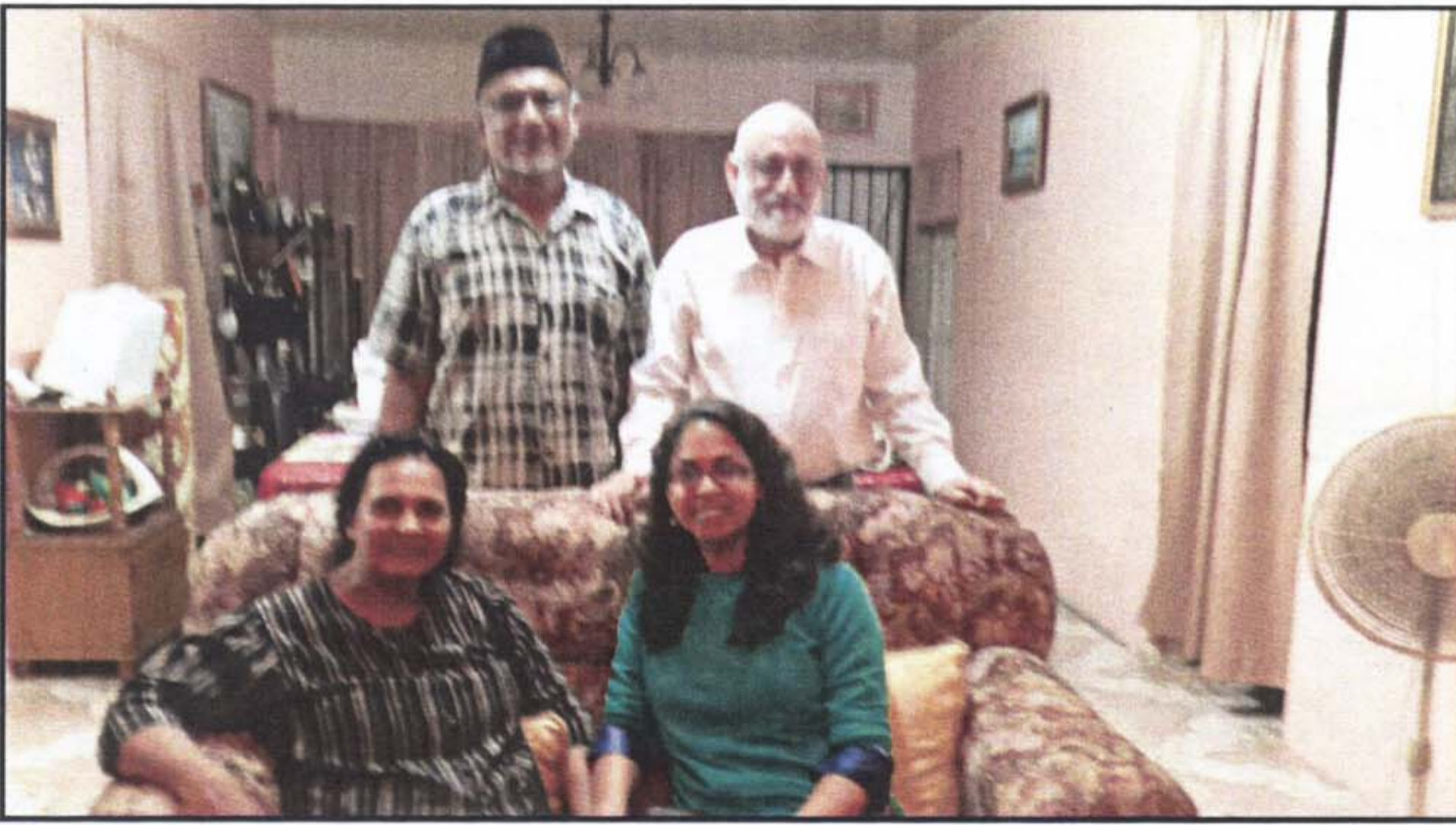
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورہ آسٹریلیا کی چند جھلکیاں
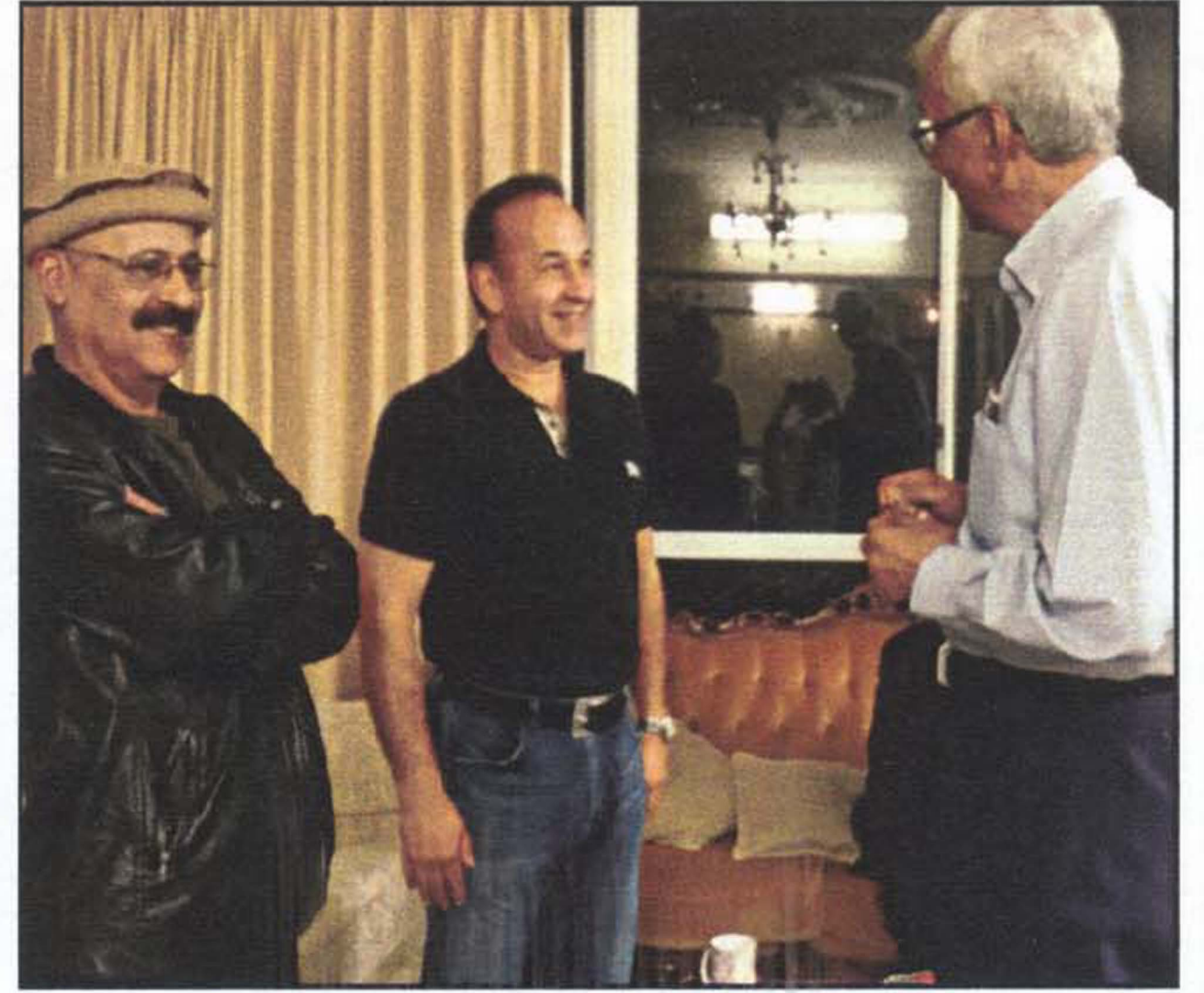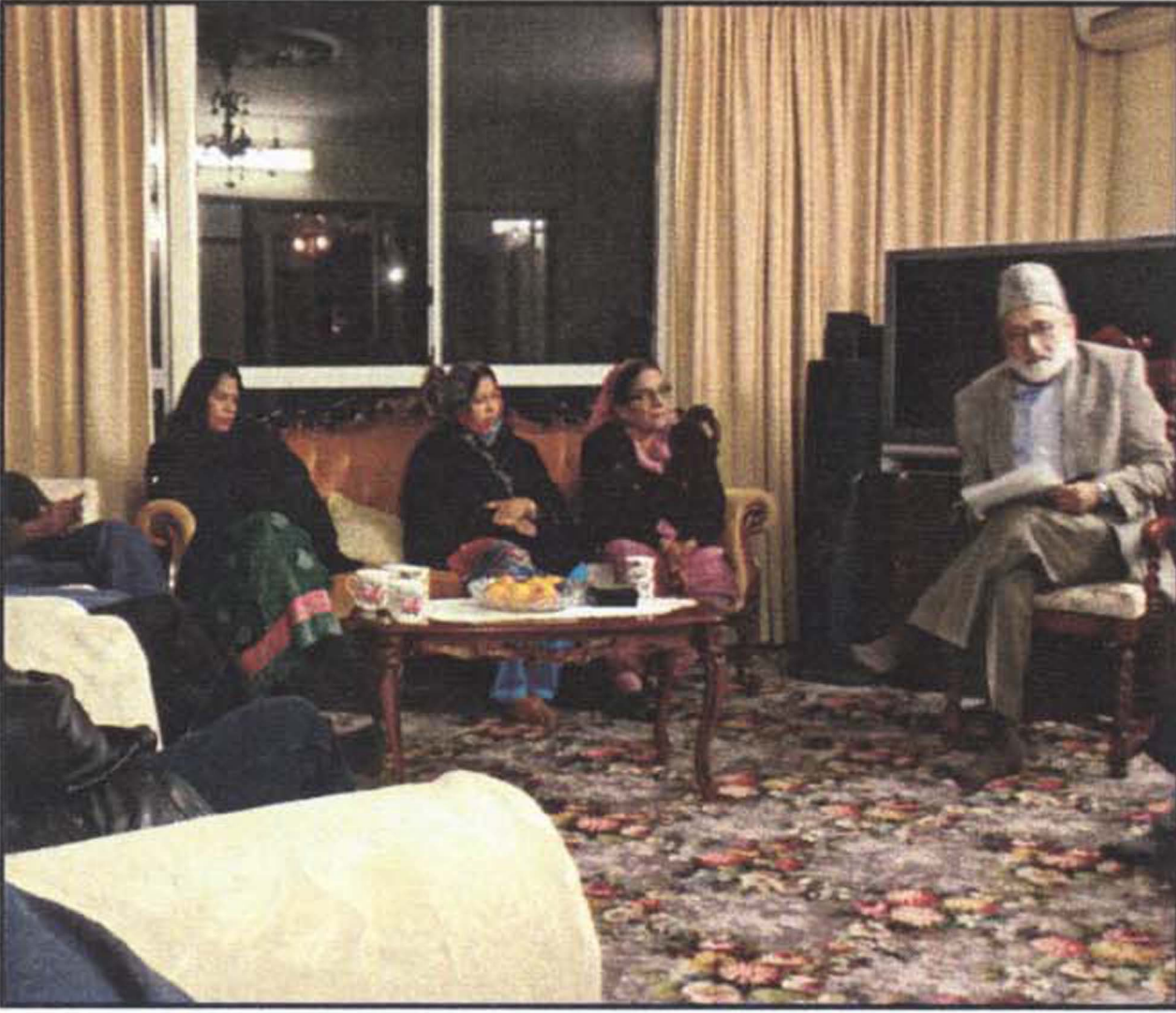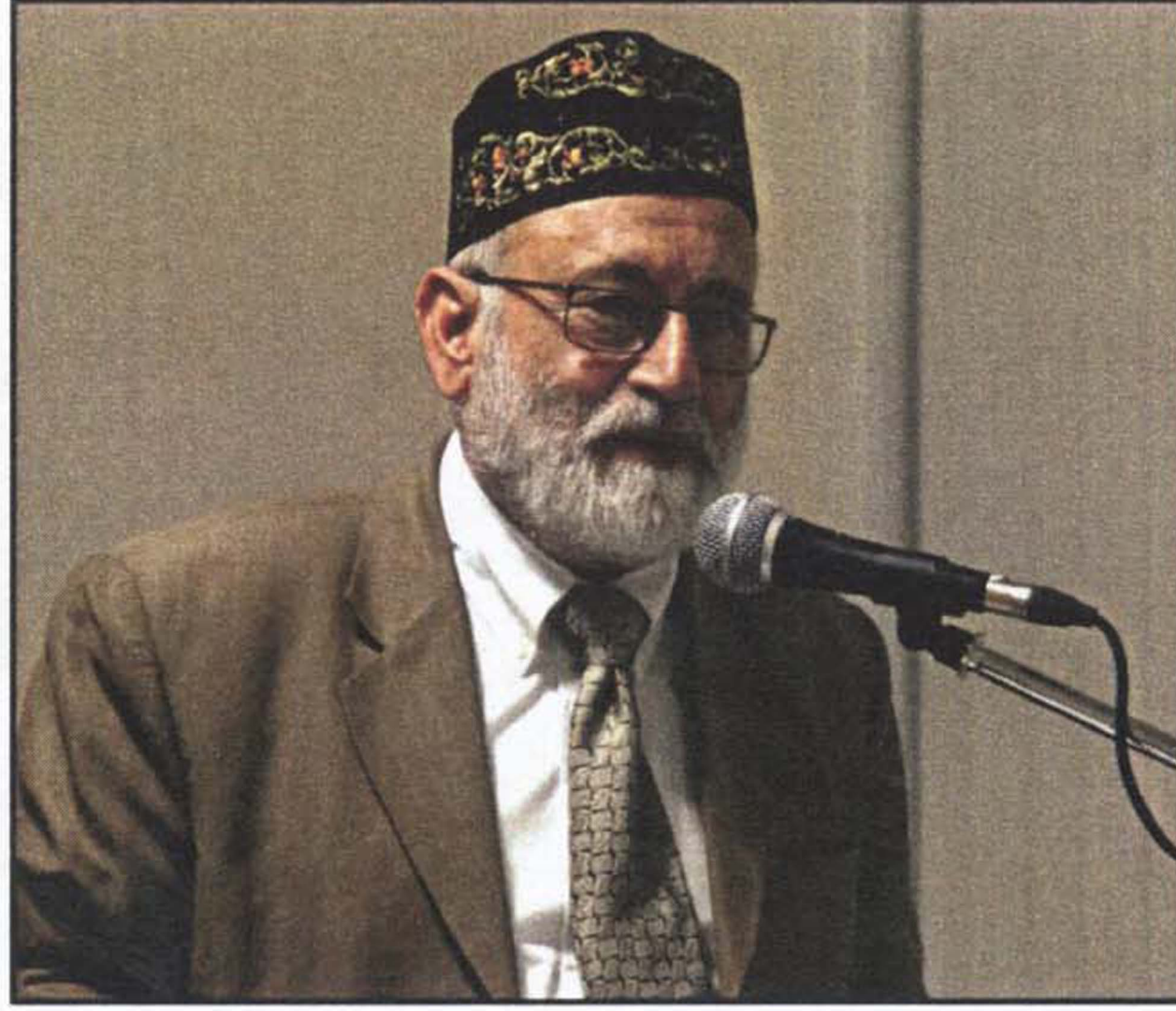
برلن مشن میں 90 سالہ کنونشن کے چند مناظر
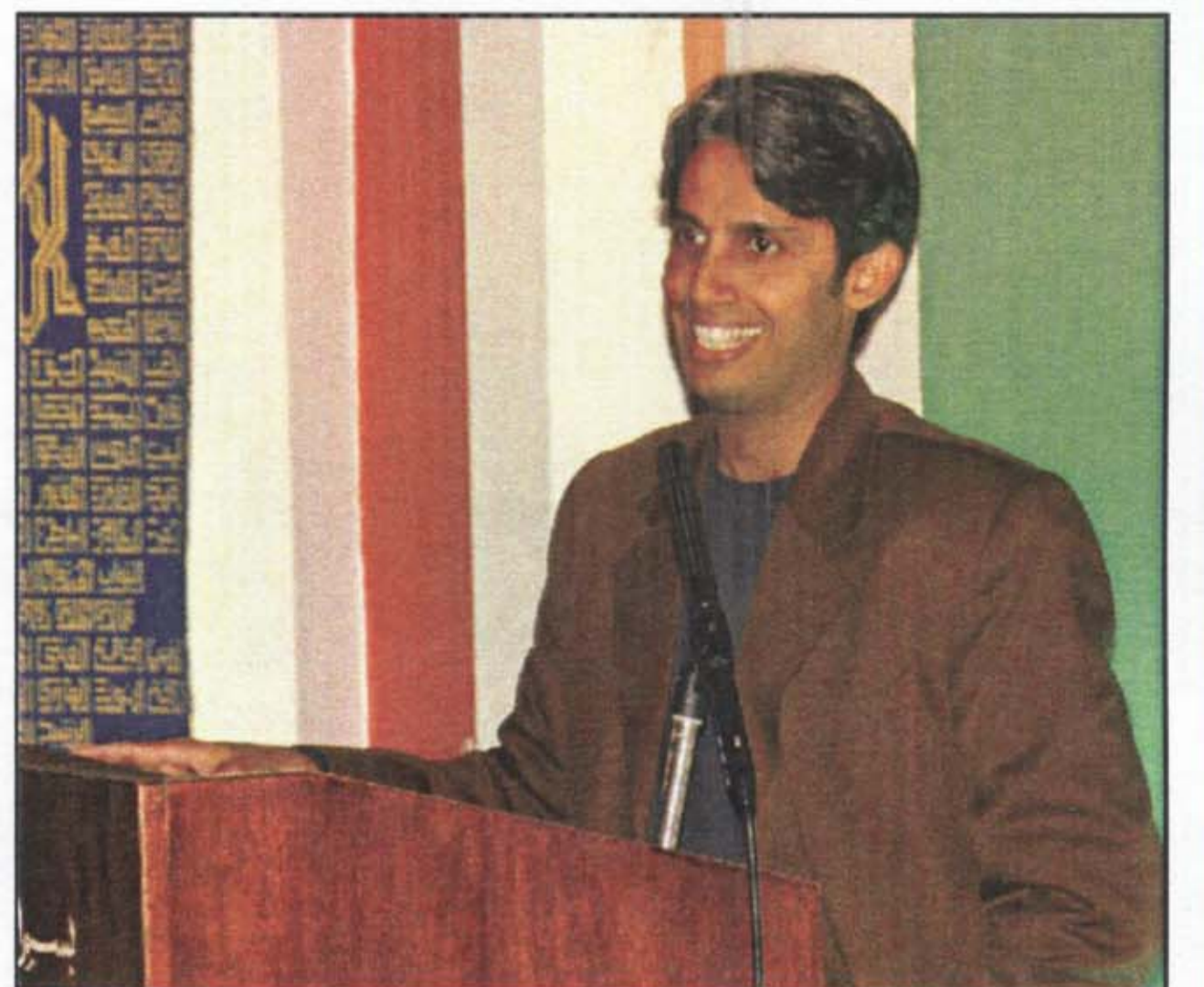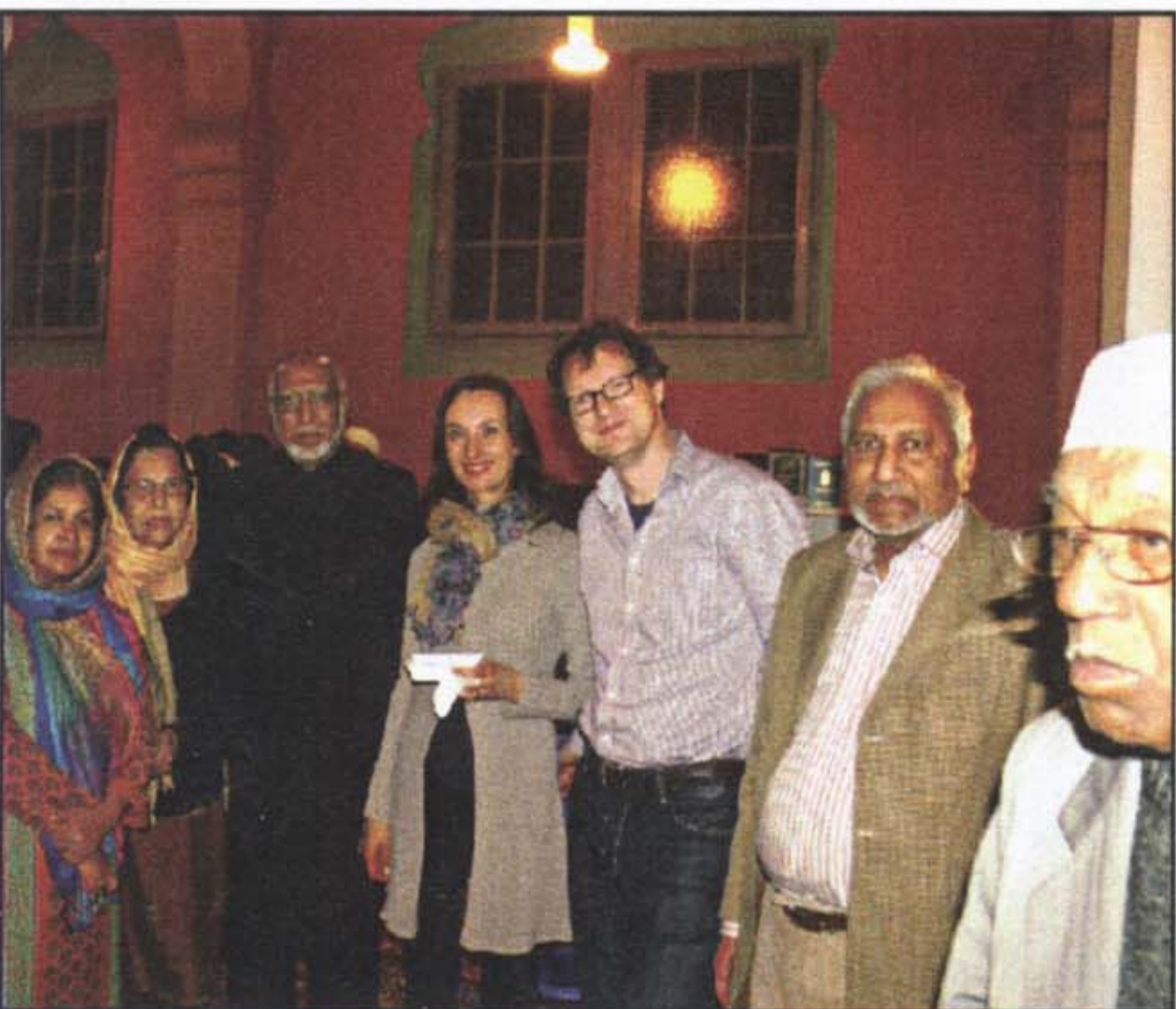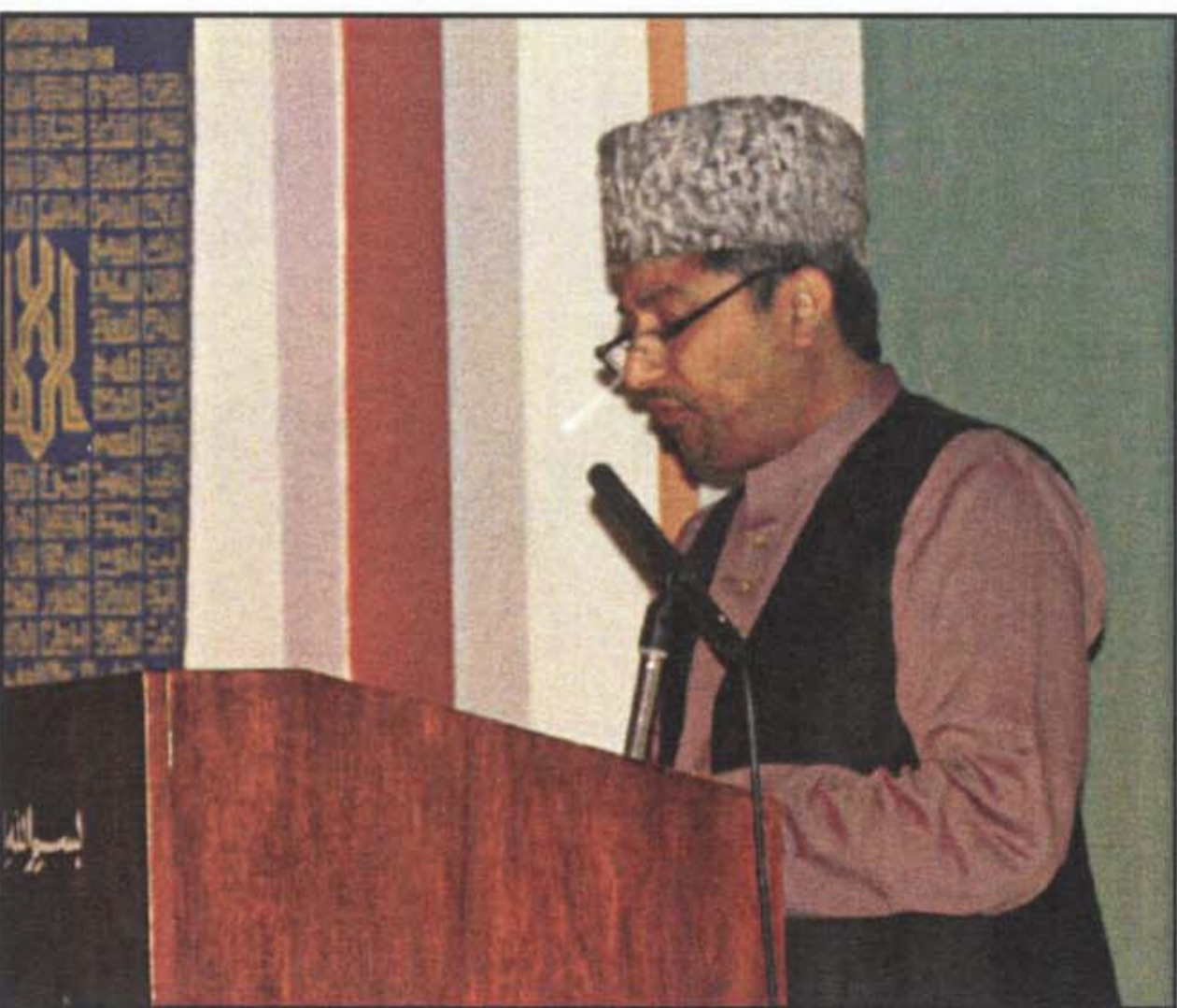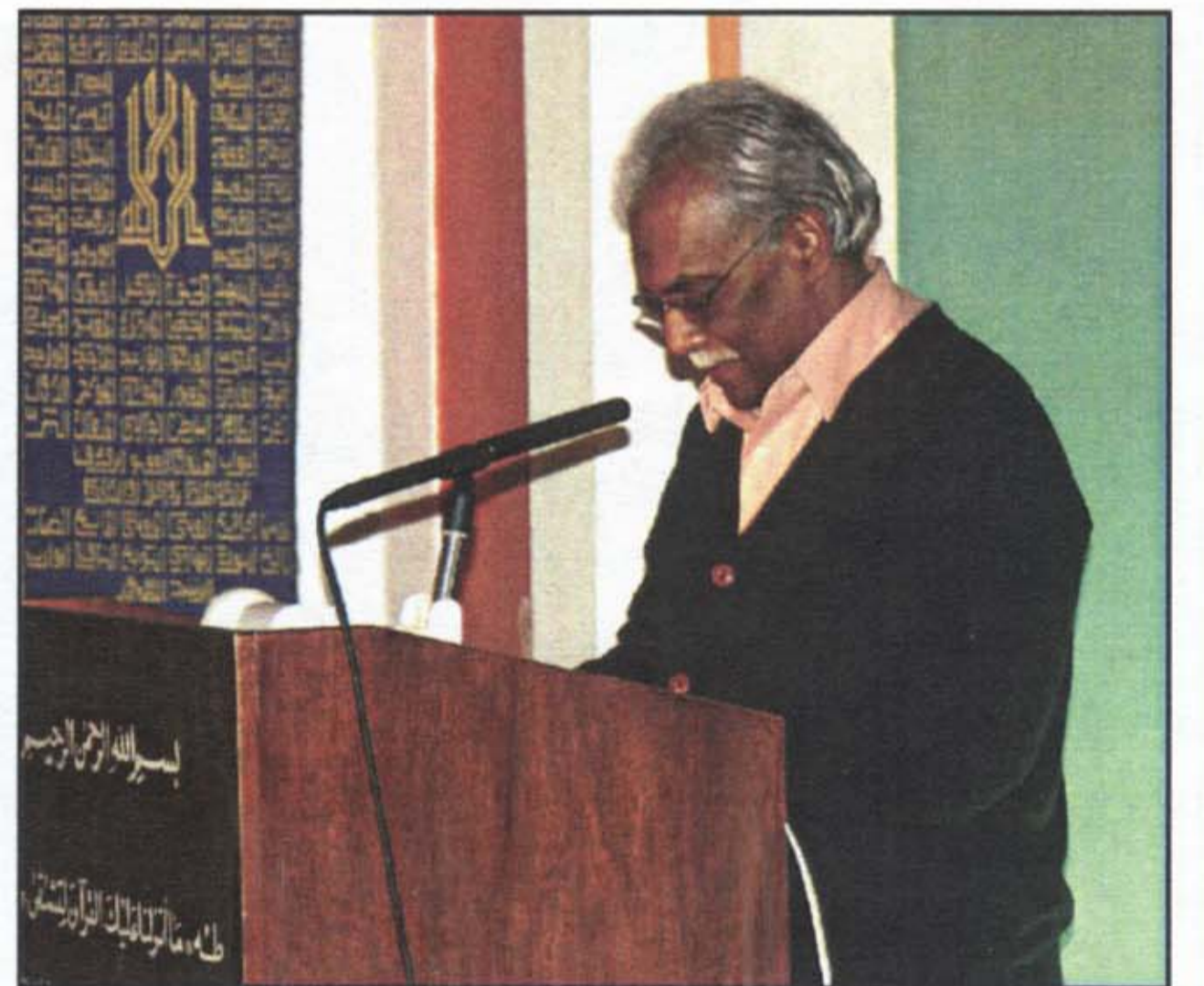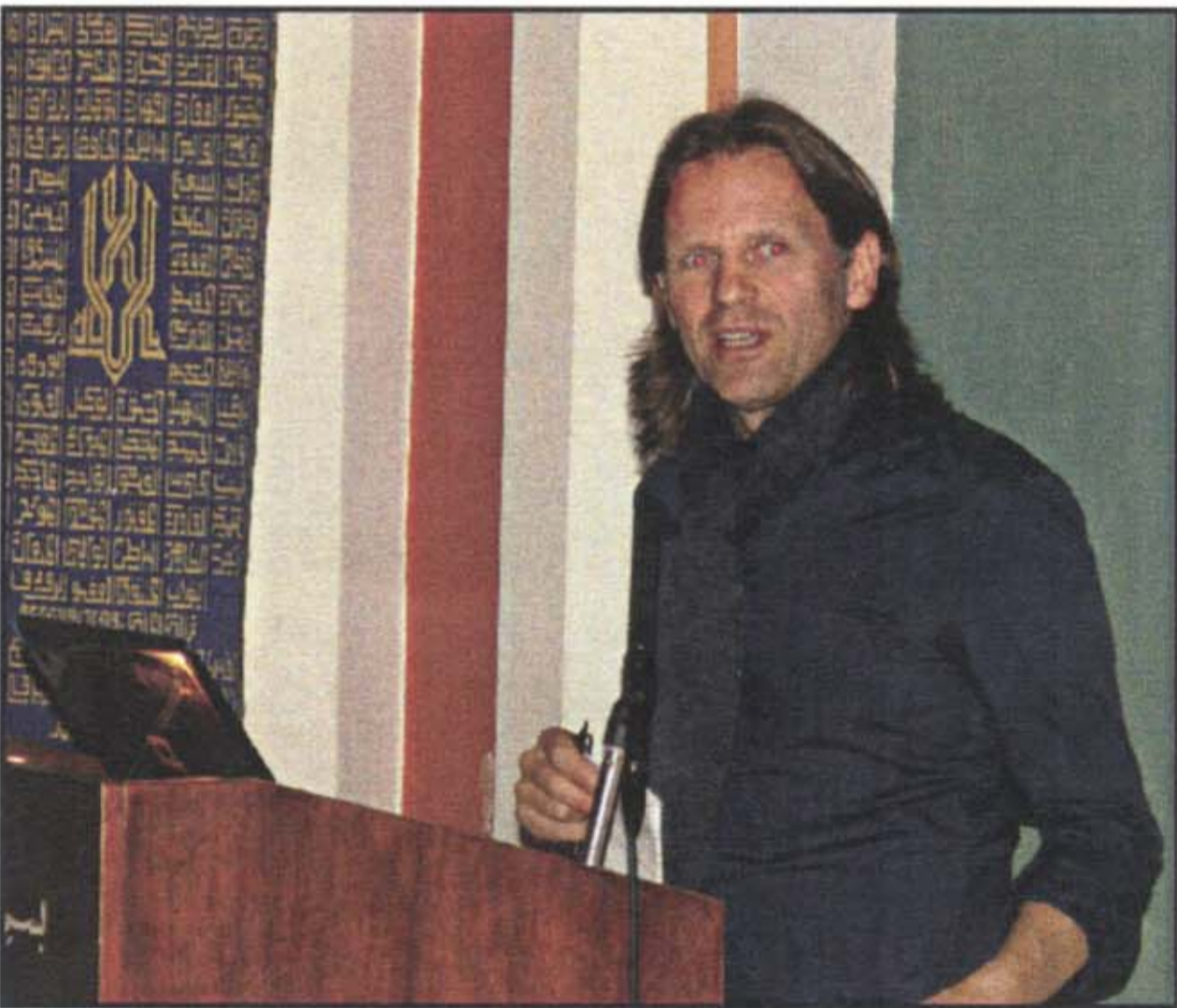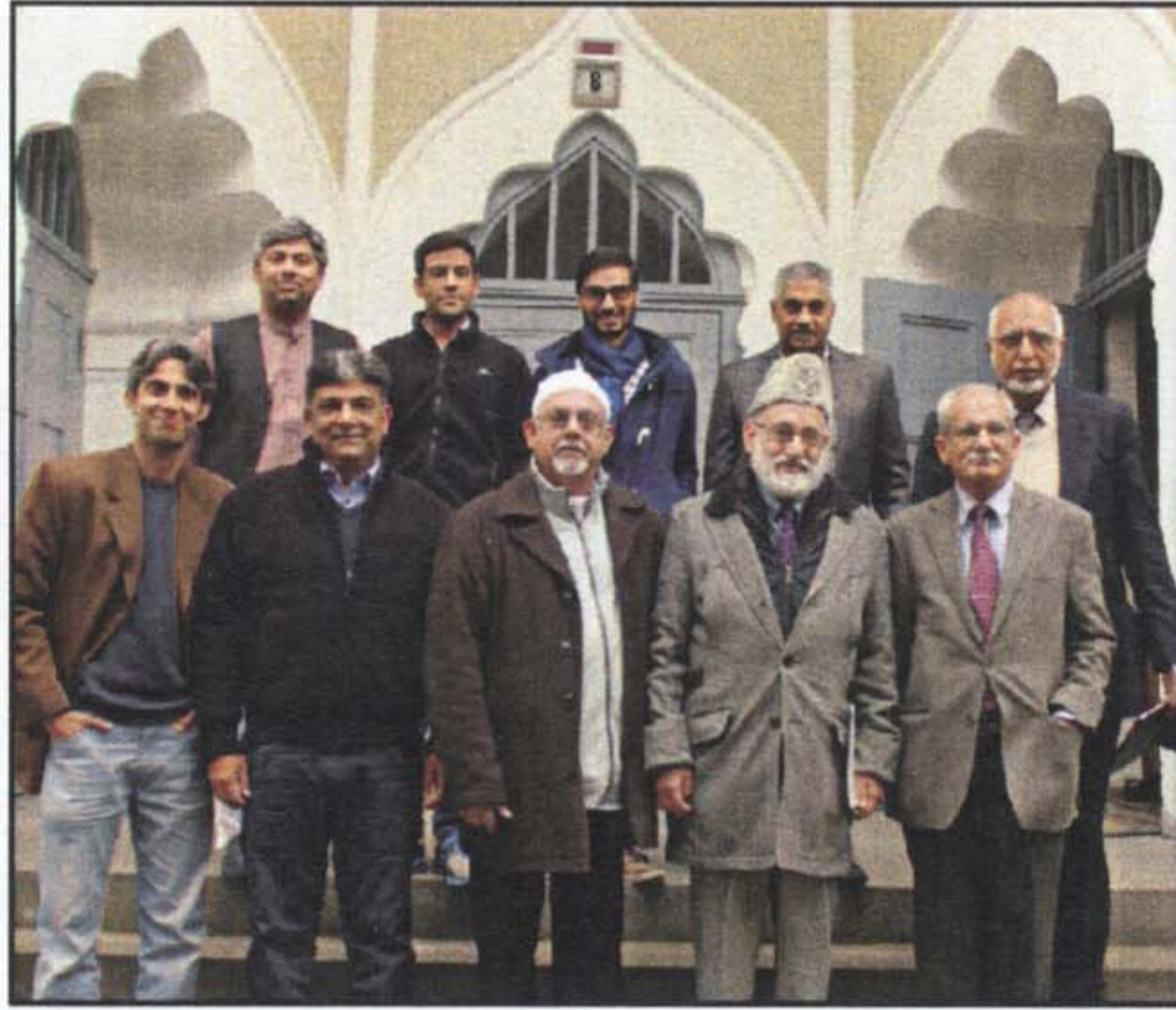
جامع برلن کے 90 سال کی تقریبات کے مناظر
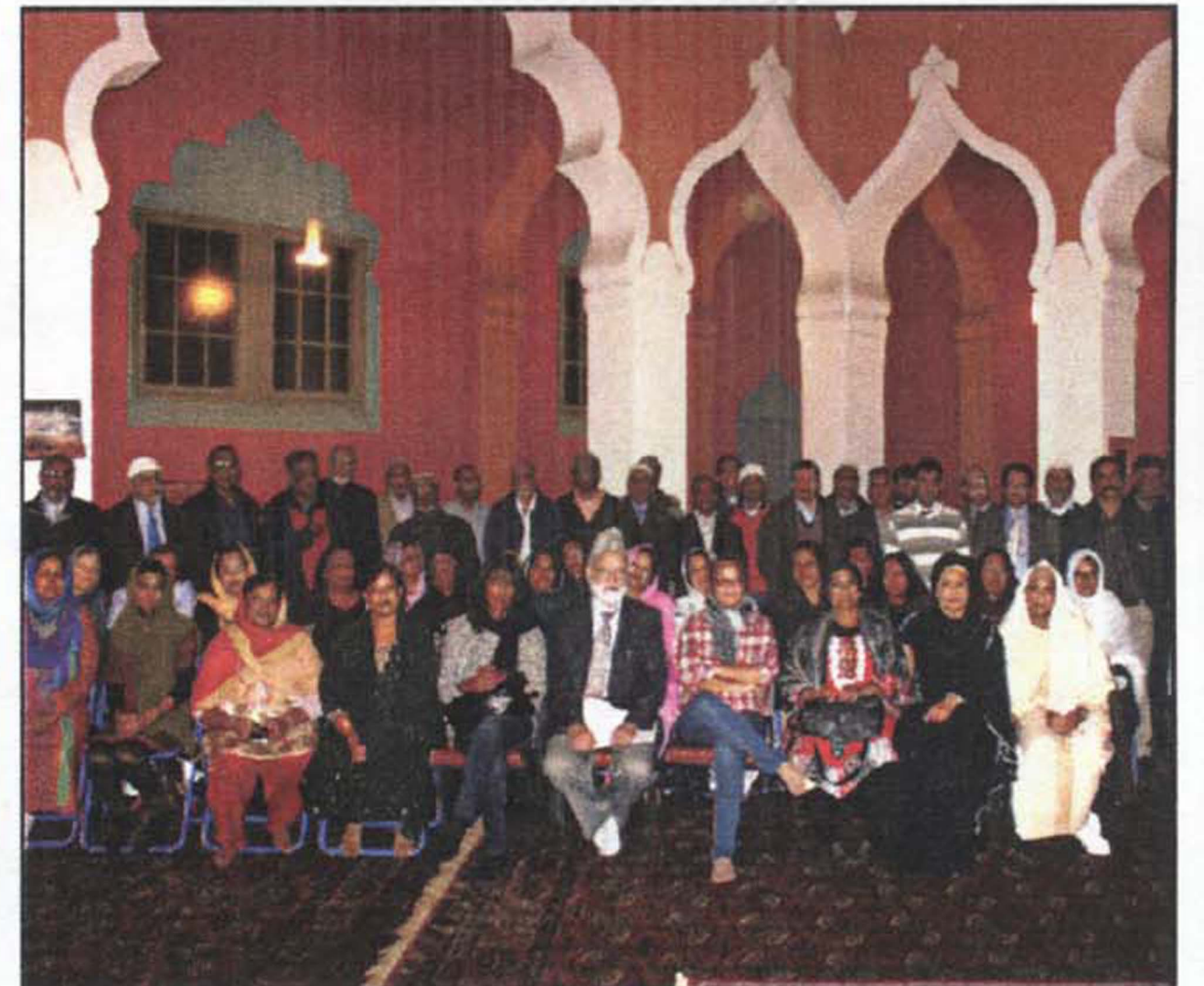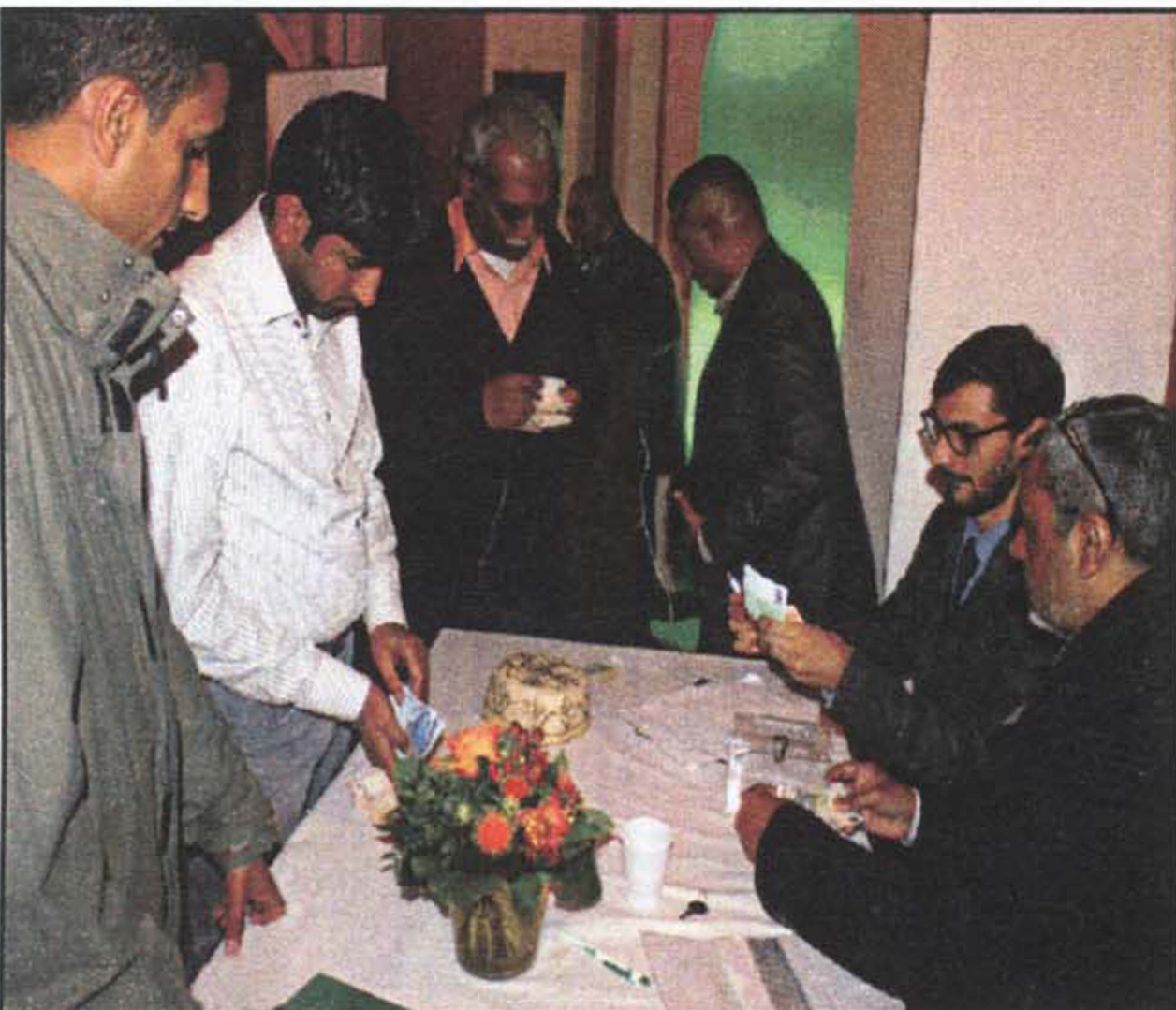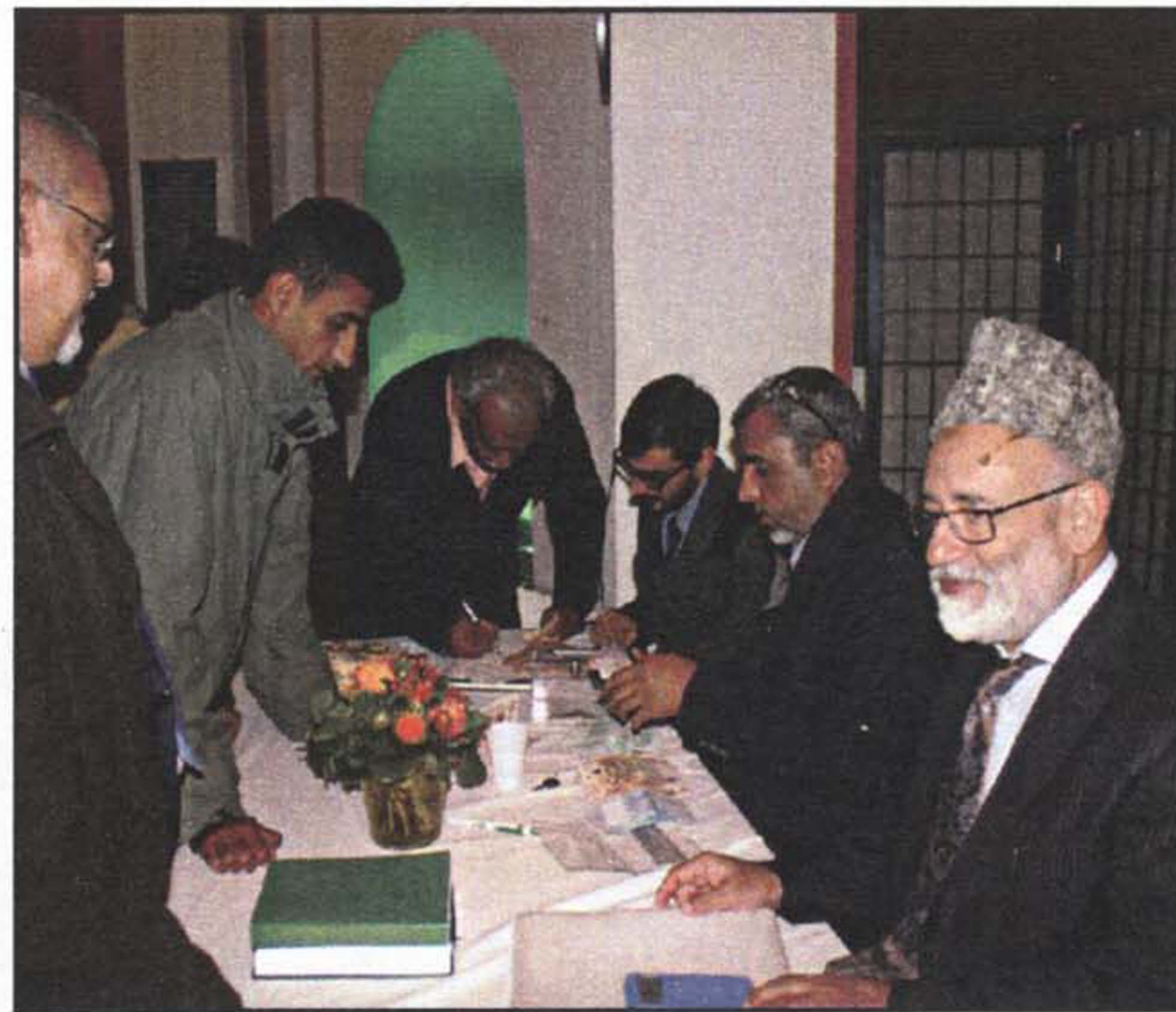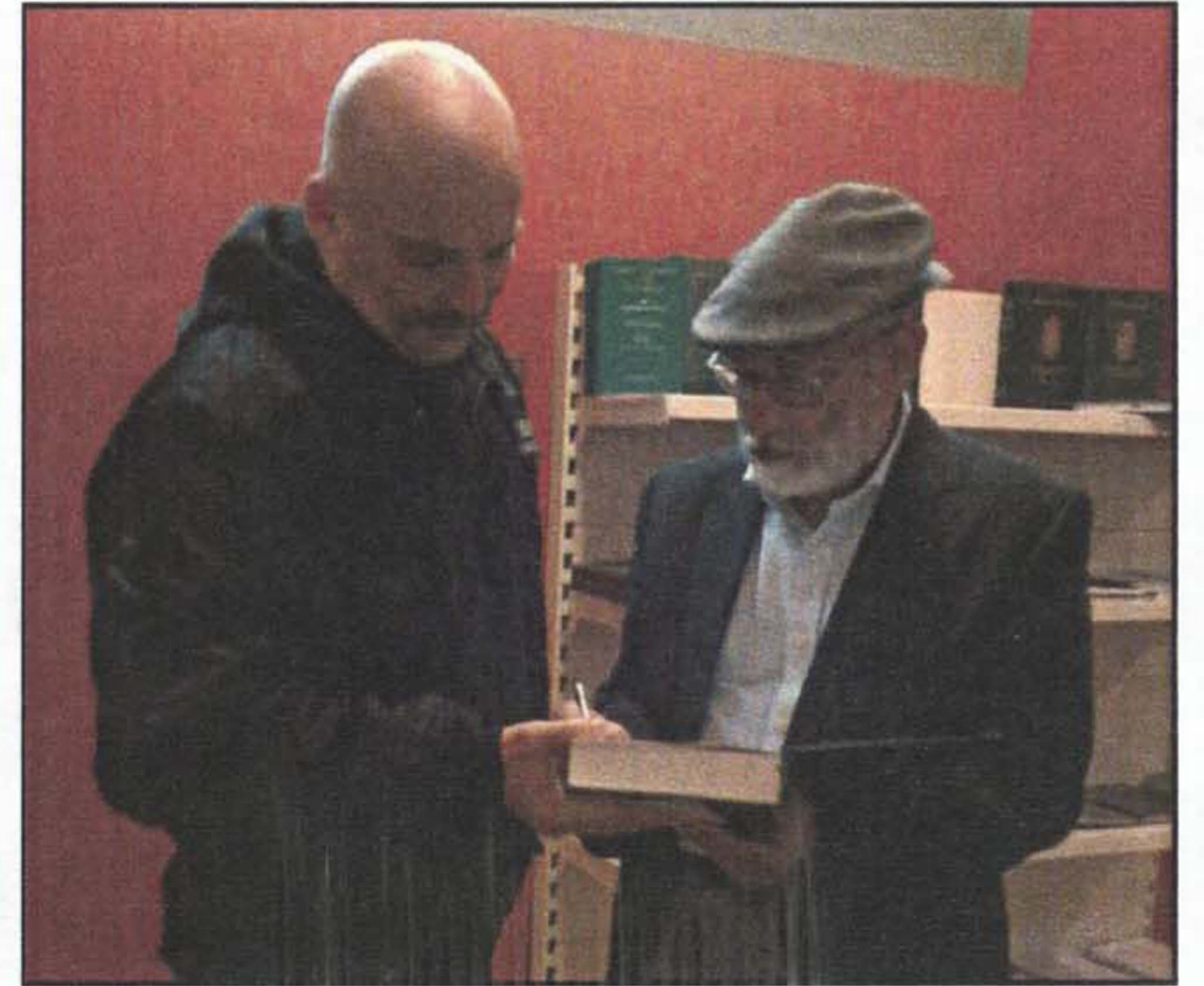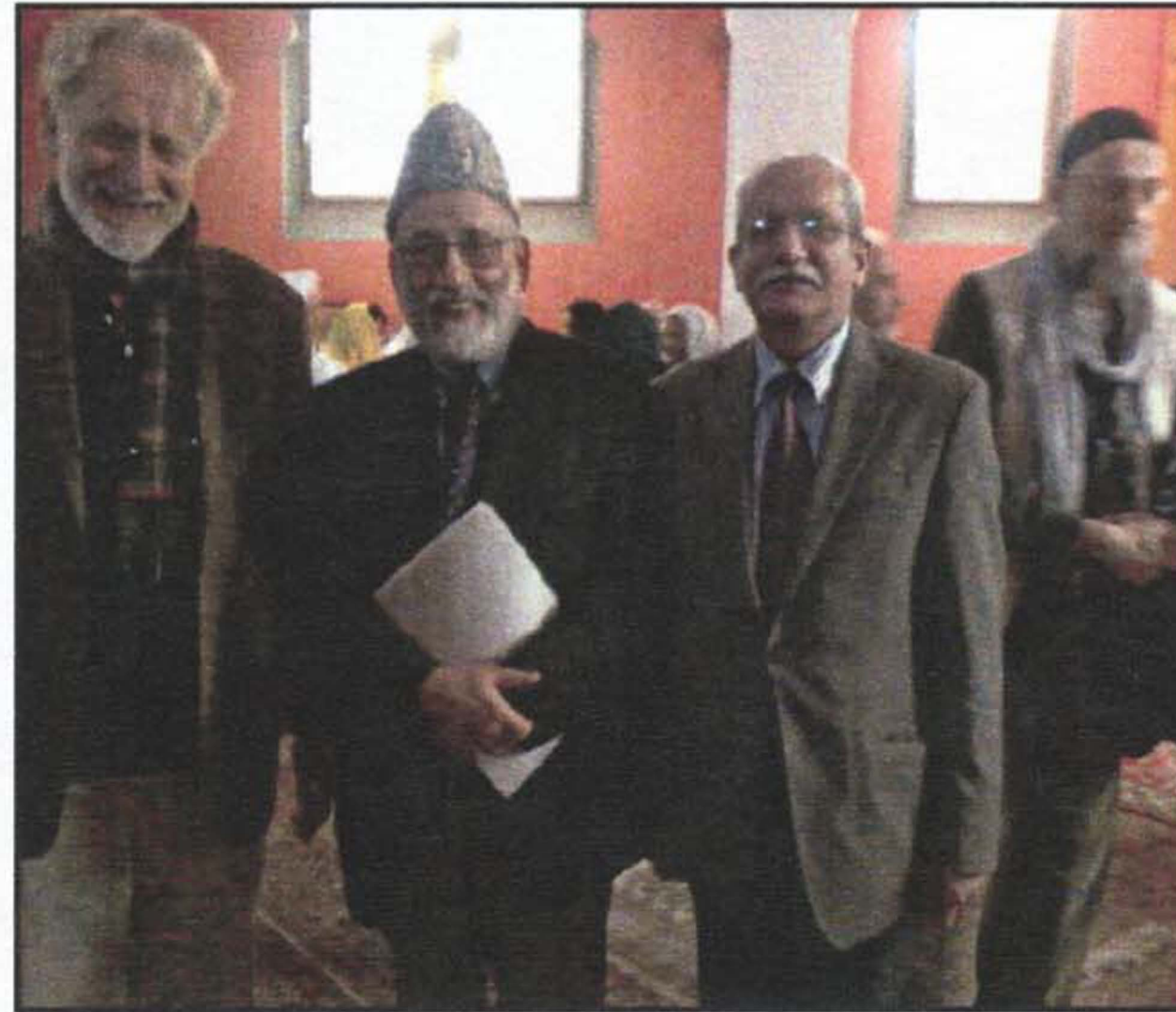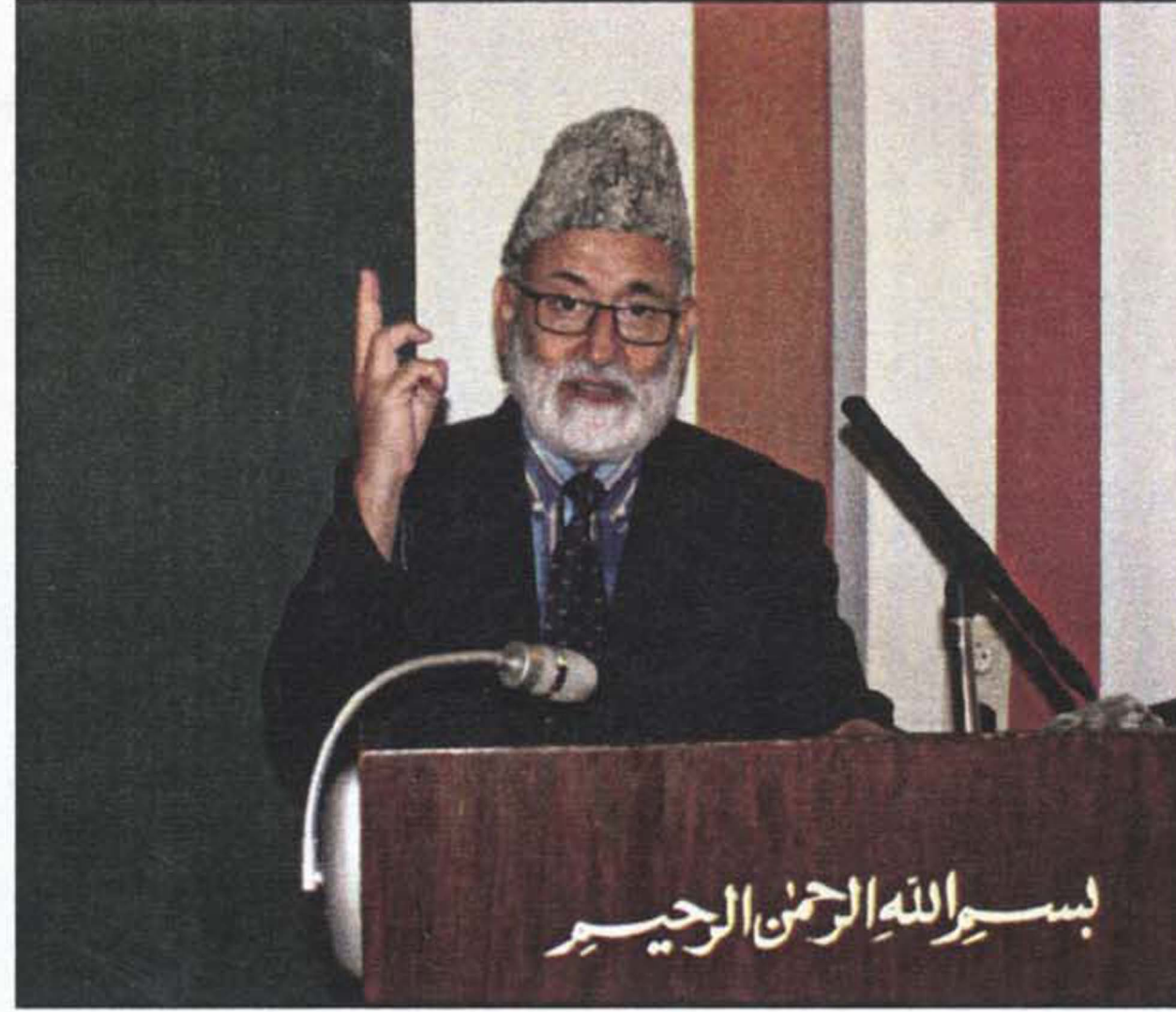
جامع برلن کے 90 سال کی تقریبات کے مناظر
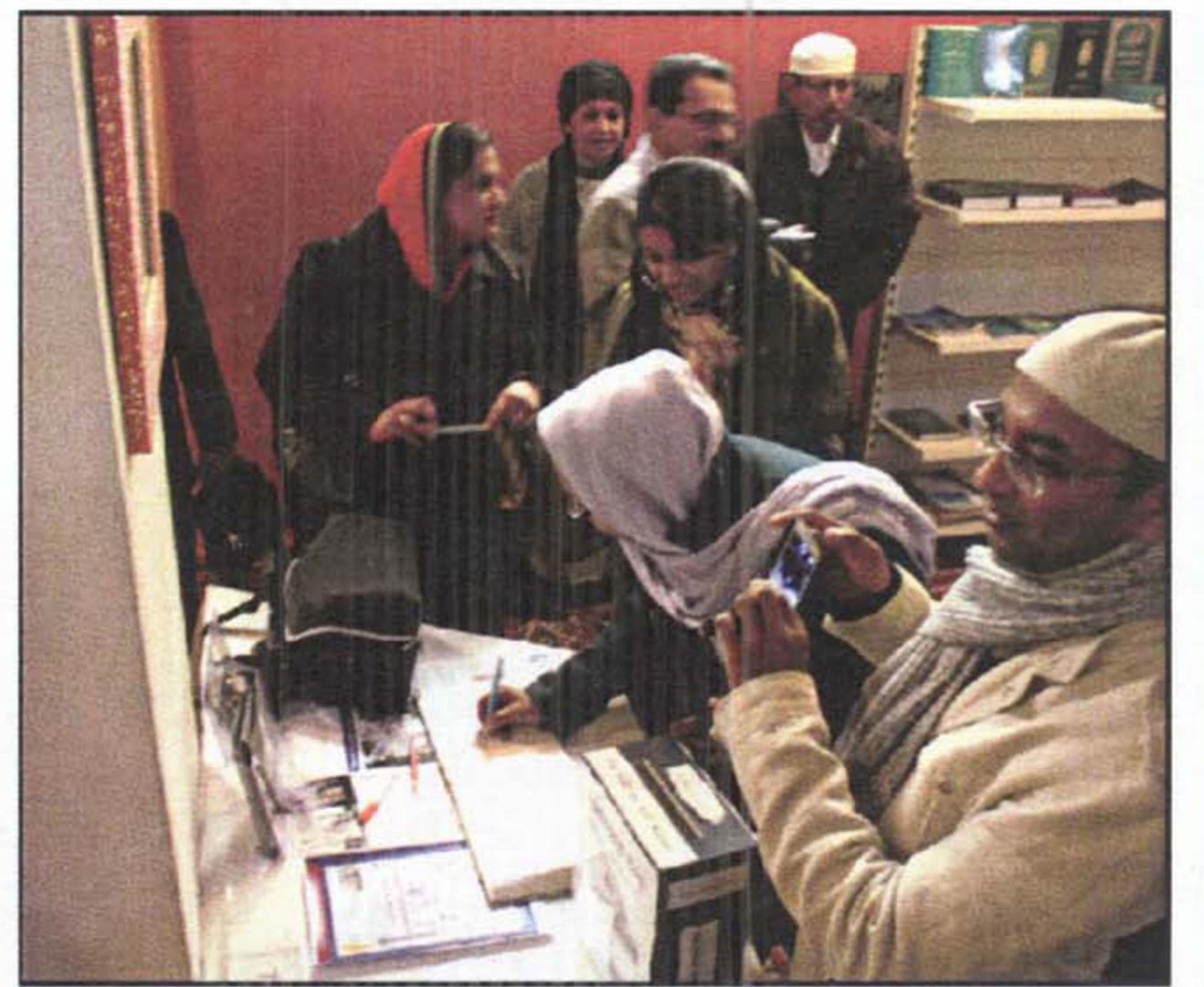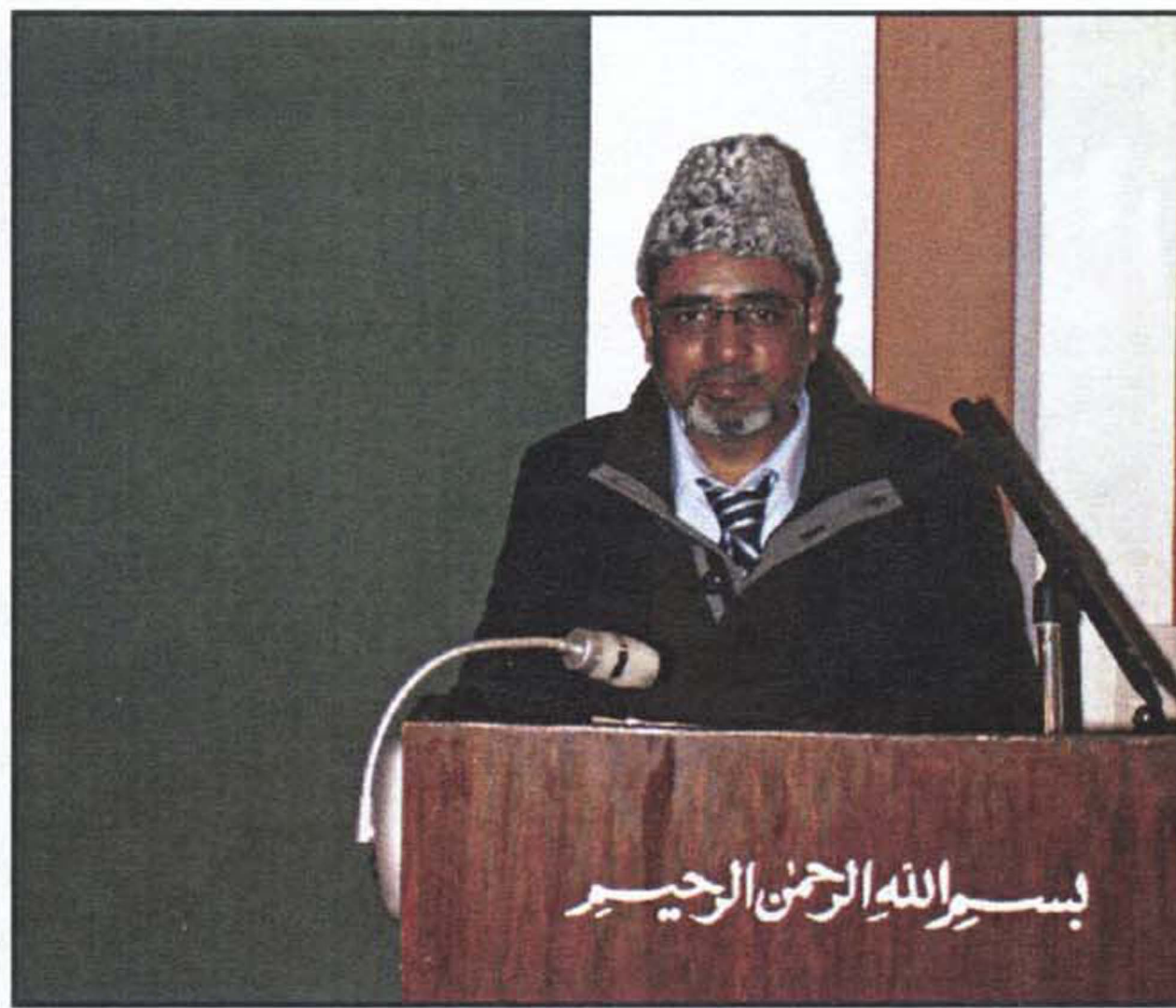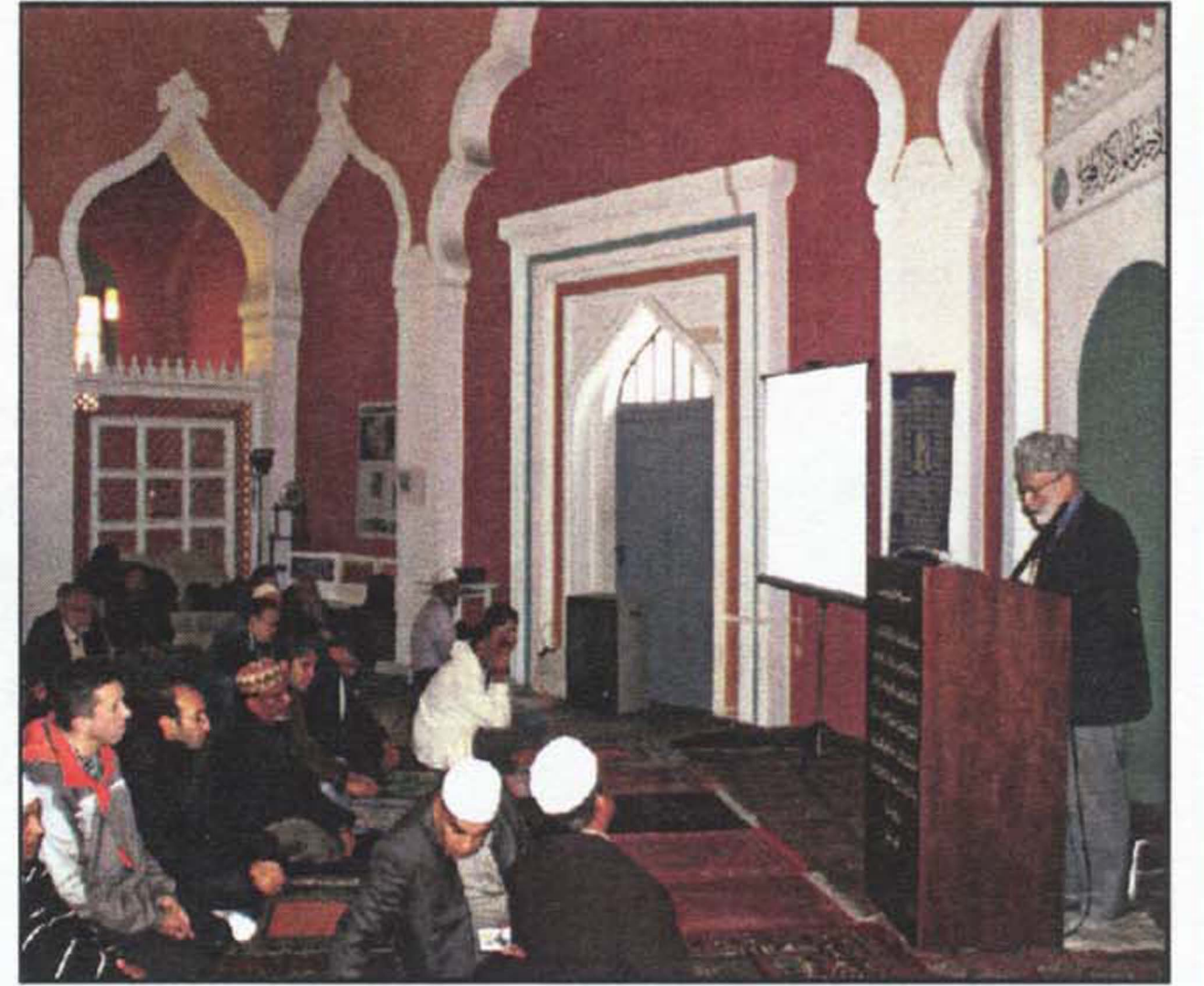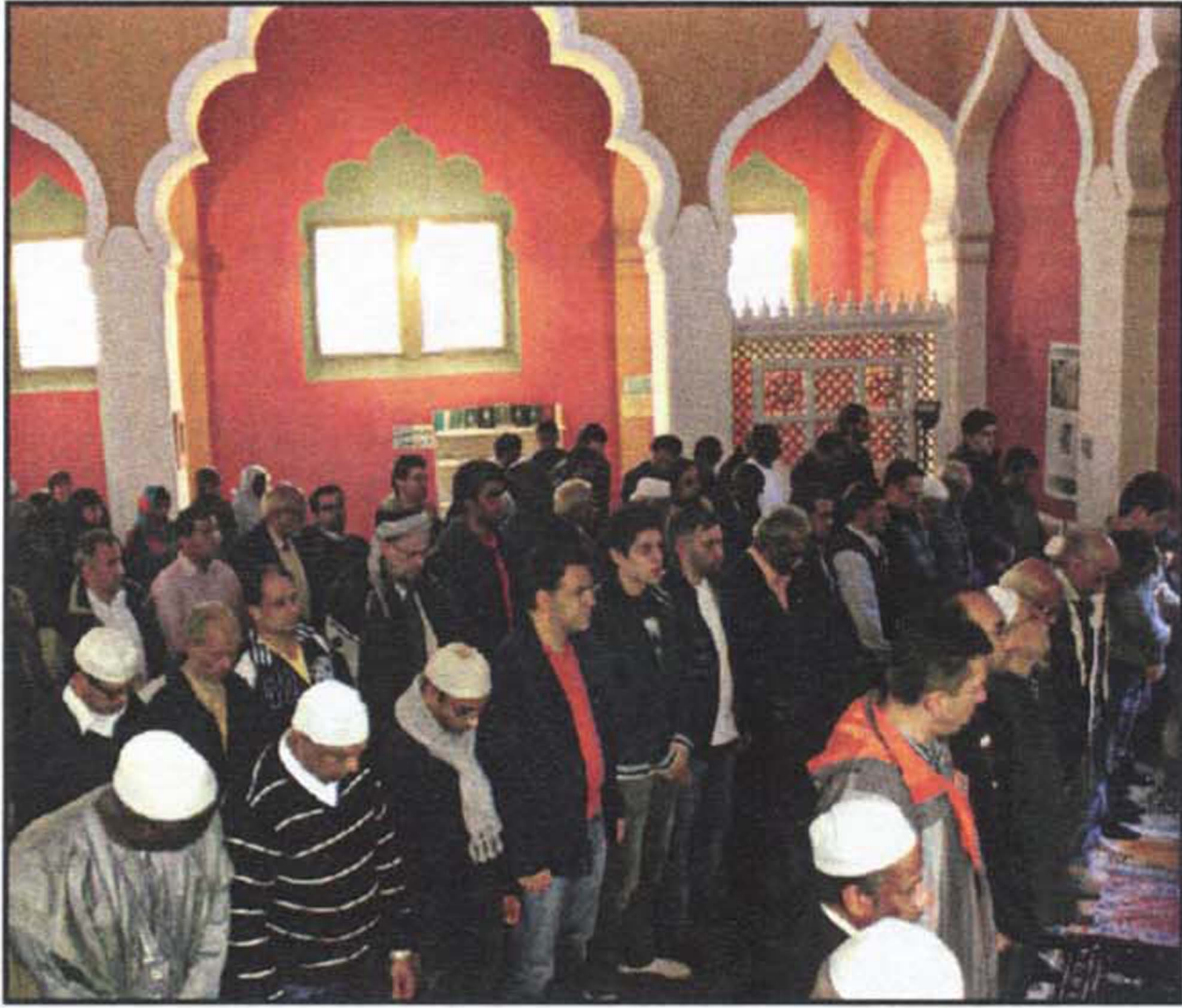
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے بیرونی دورہ جات

جماعت ہائے فجی

جماعت ہائے نیوزی لینڈ

جماعت ہائے انڈونیشیاء
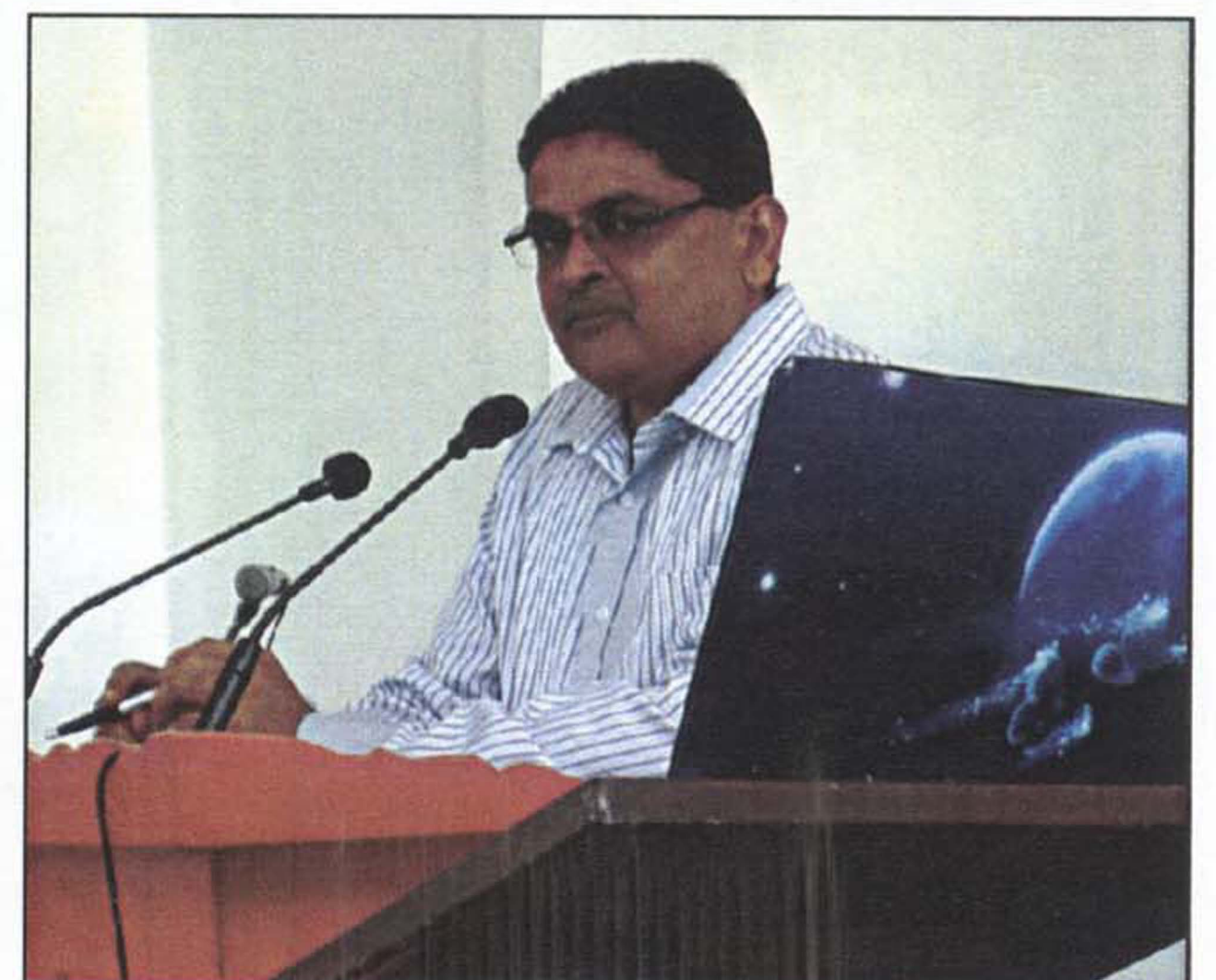
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور مرکزی انجمن کے وفد کا دورہ ہالینڈ اور 100 سالہ تقریبات کی جھلکیاں
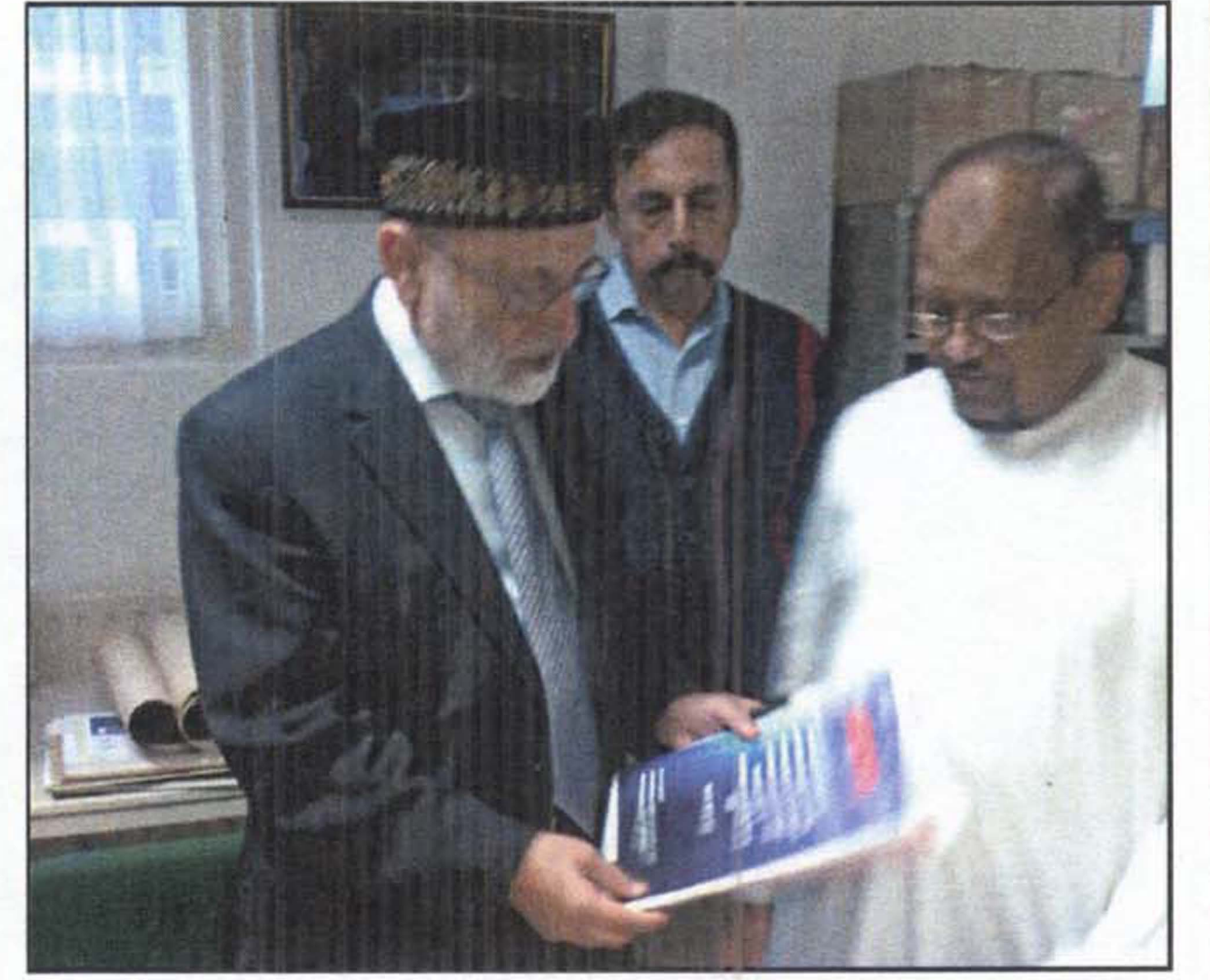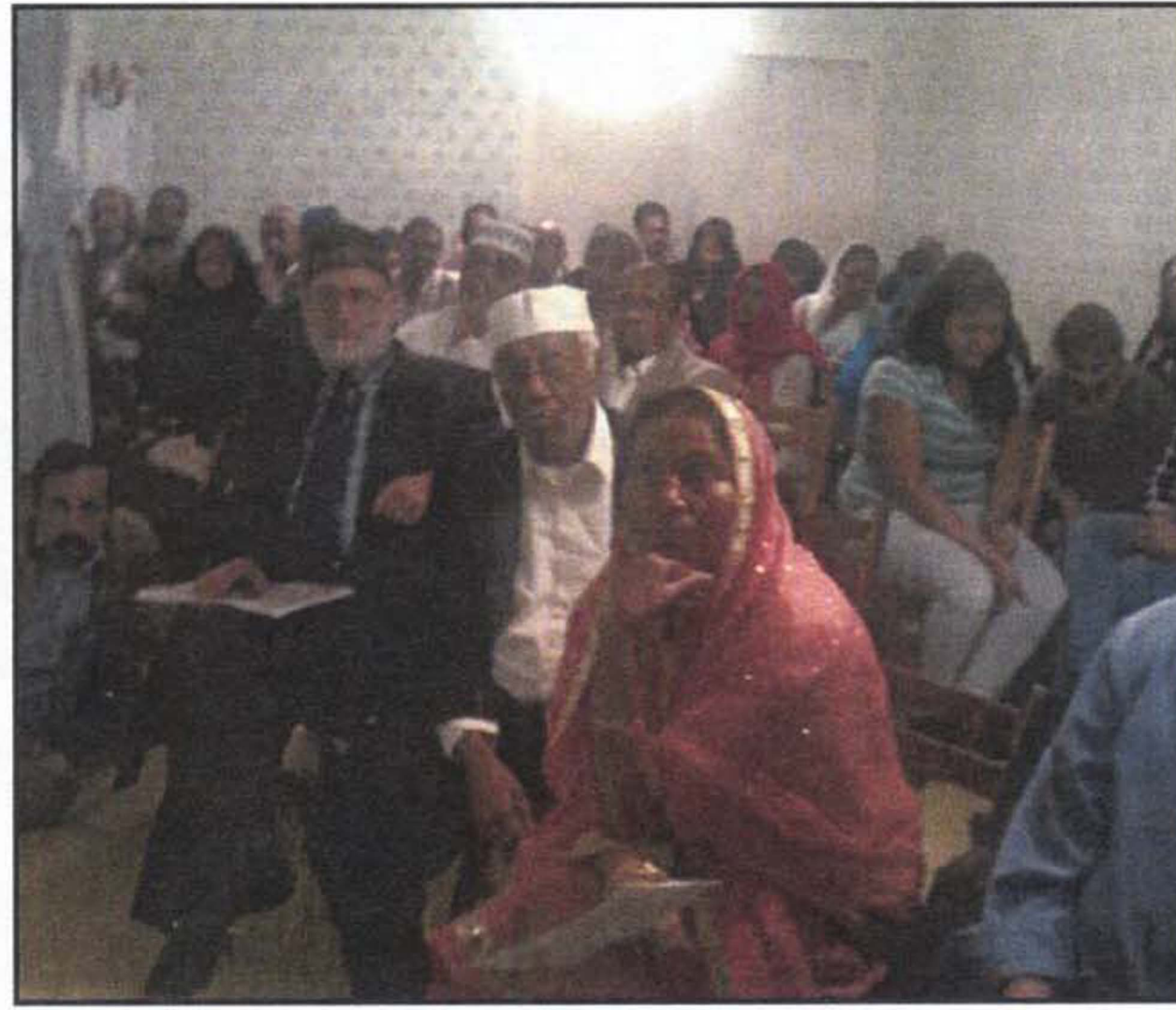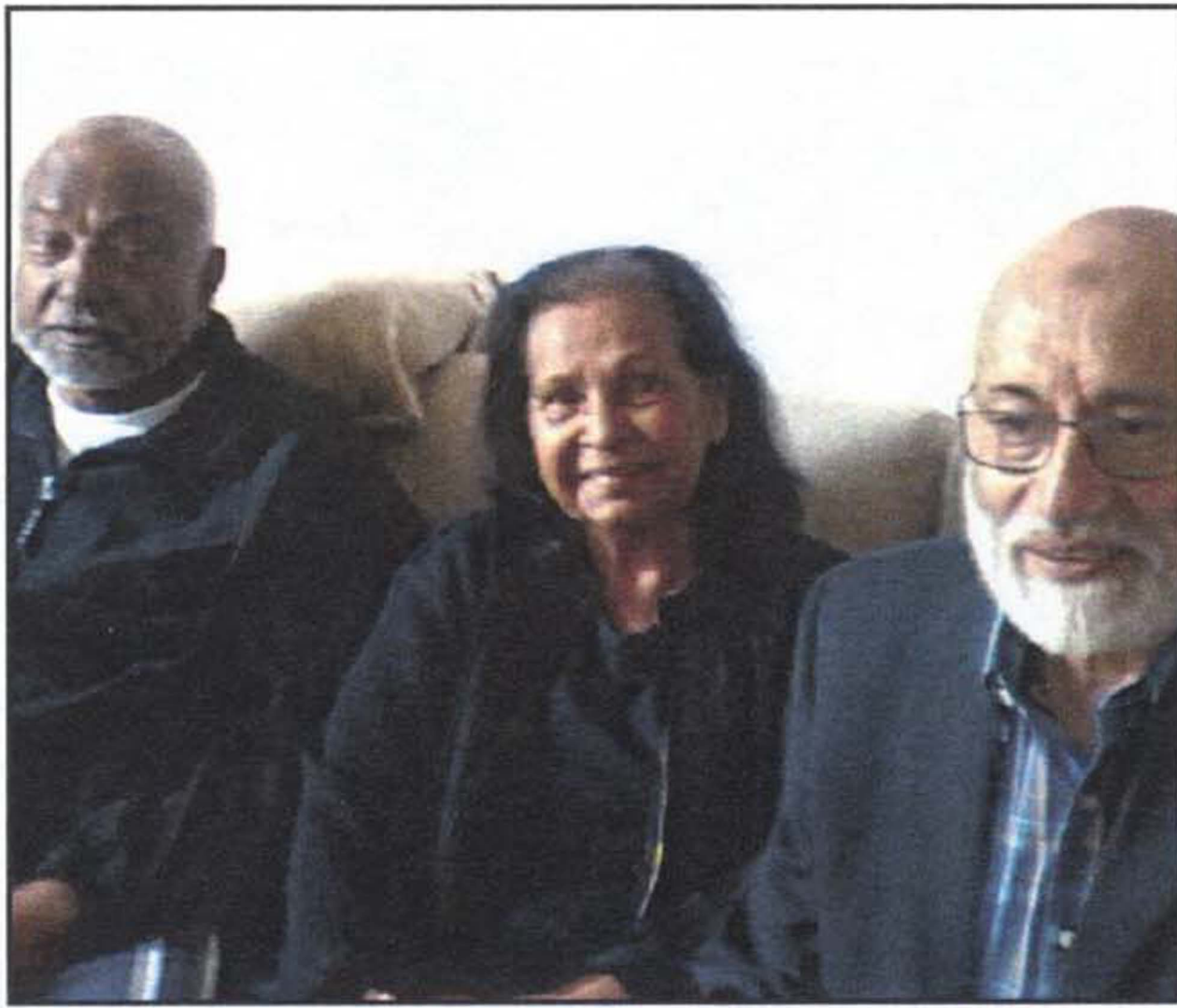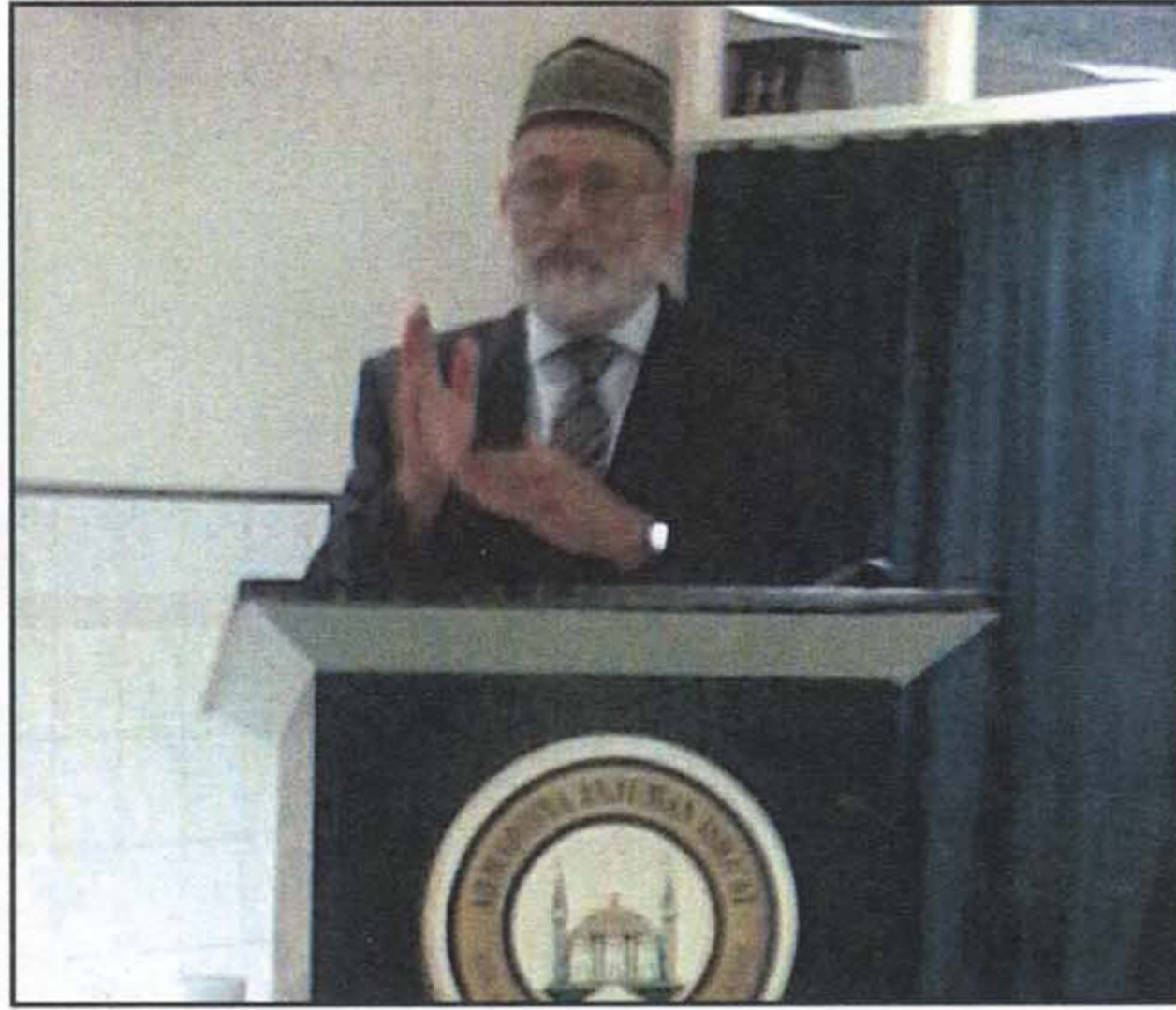
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا U.K پارلیمنٹ کا دورہ اور پارلیمنٹ کمیٹی روم میں تقریر کی جھلکیاں
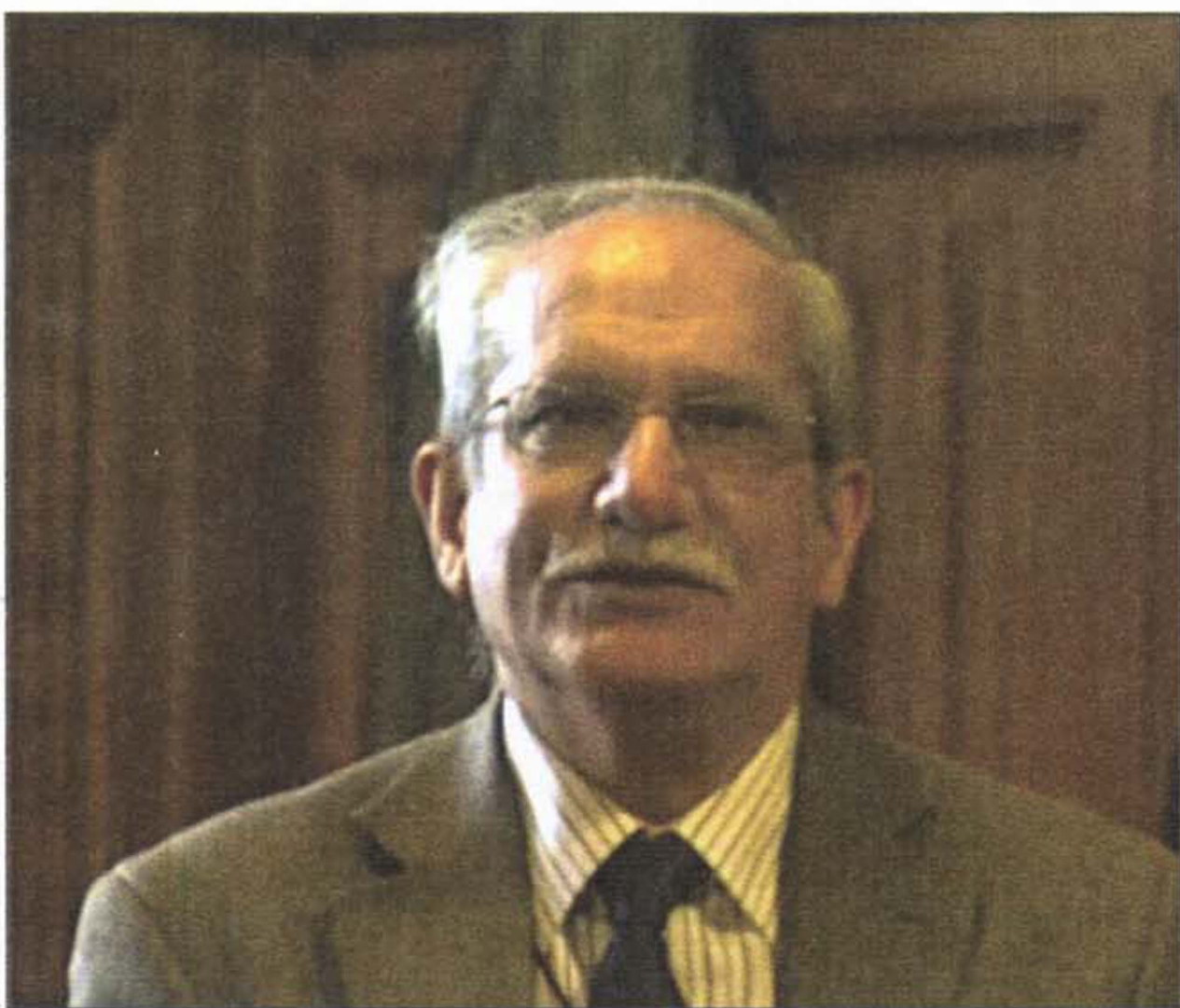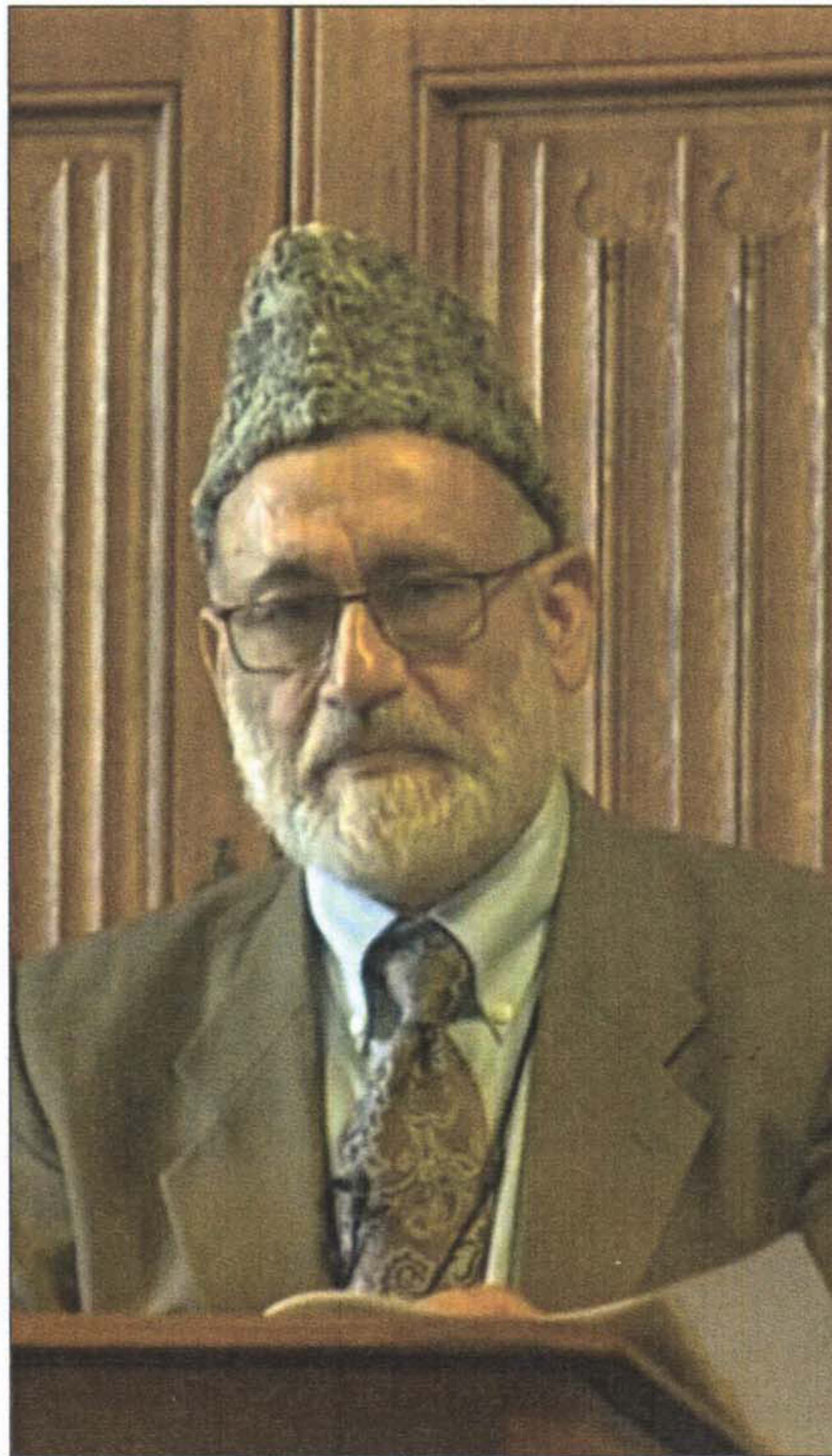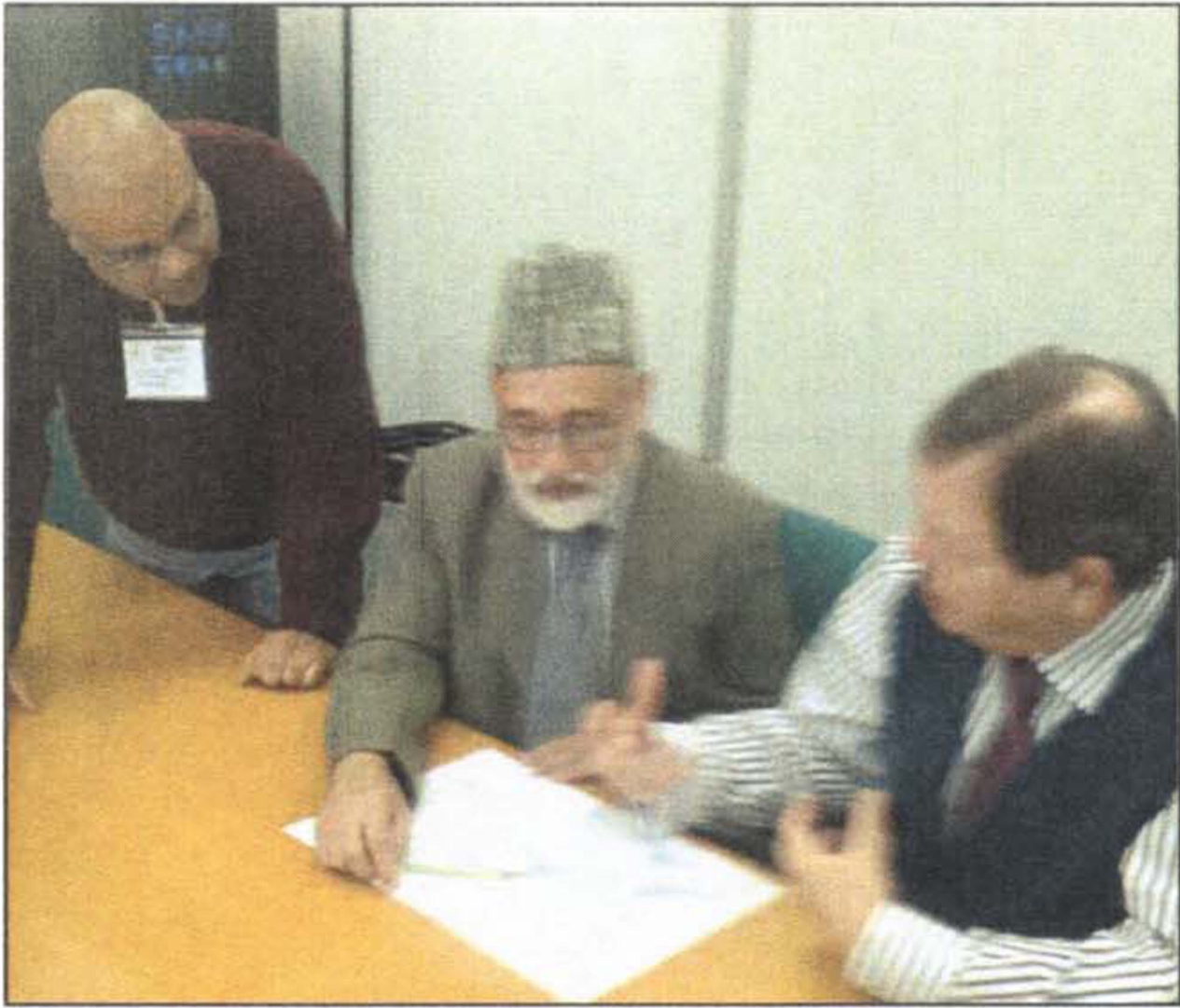
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا دورہ سرینام اور سرینام جماعت کے 85 سال ہونے پر کنونشن کے مناظر
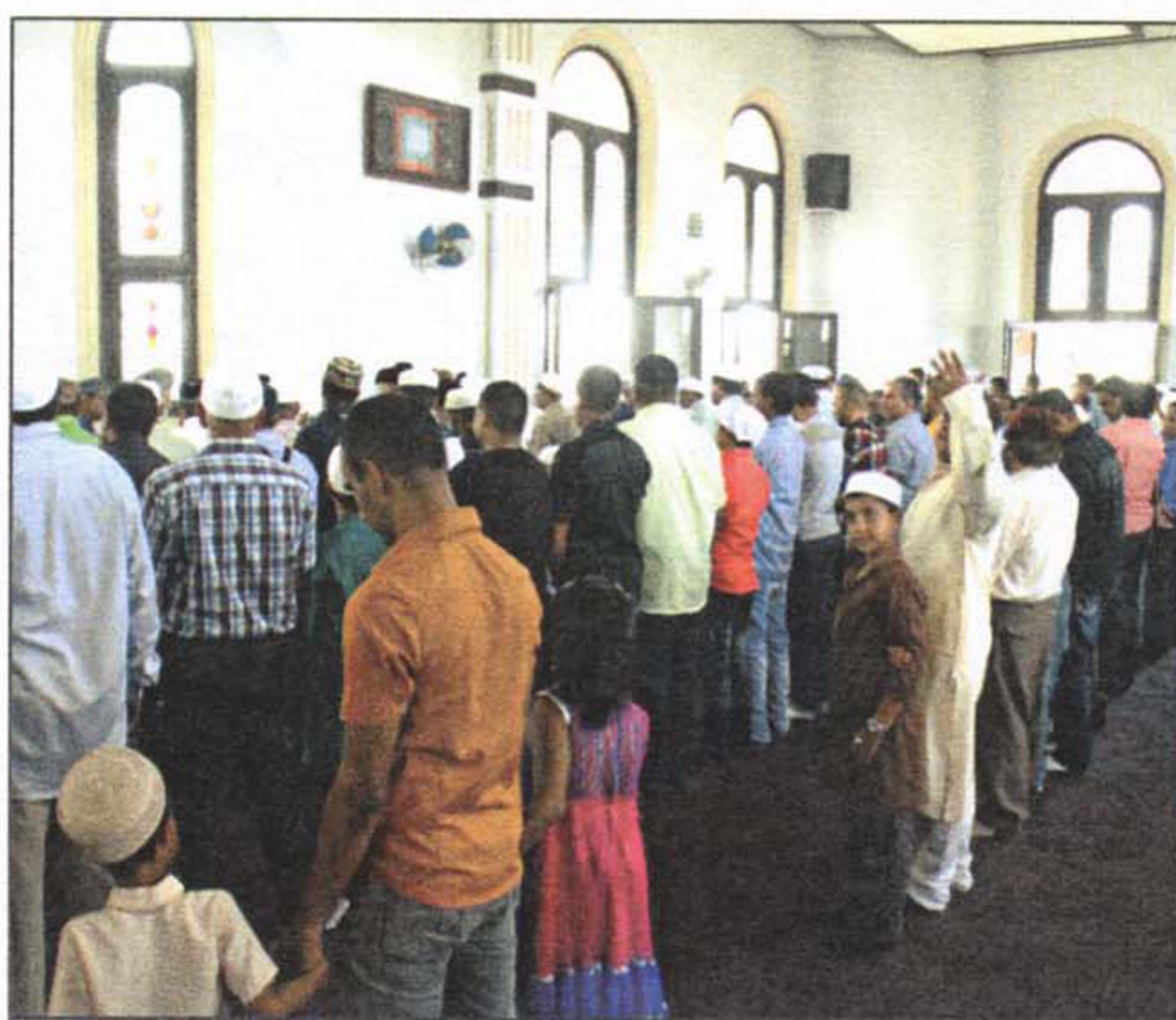
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی دورہ سرینام کی مصروفیات
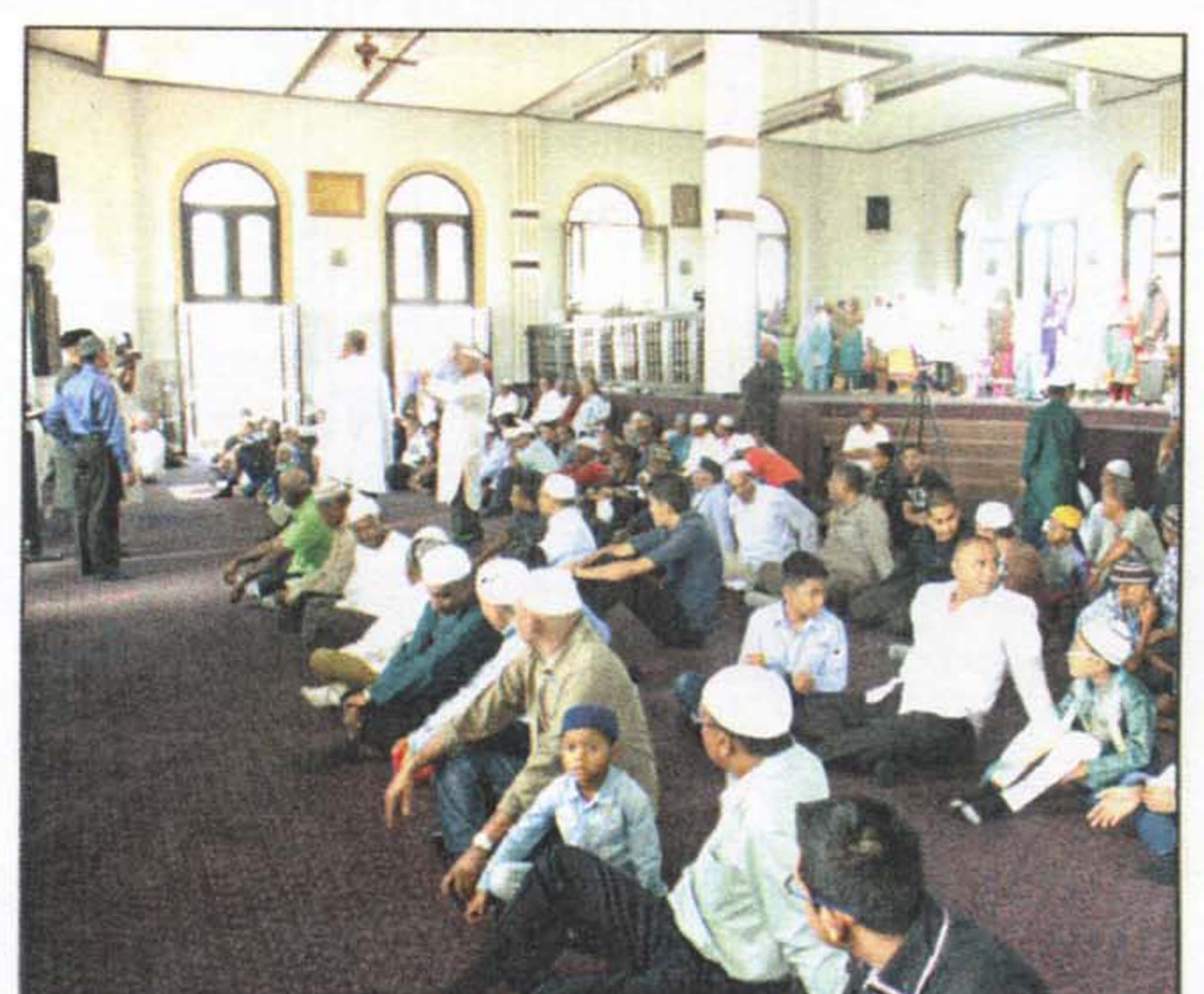
سرینام کنونشن کے مختلف مناظر
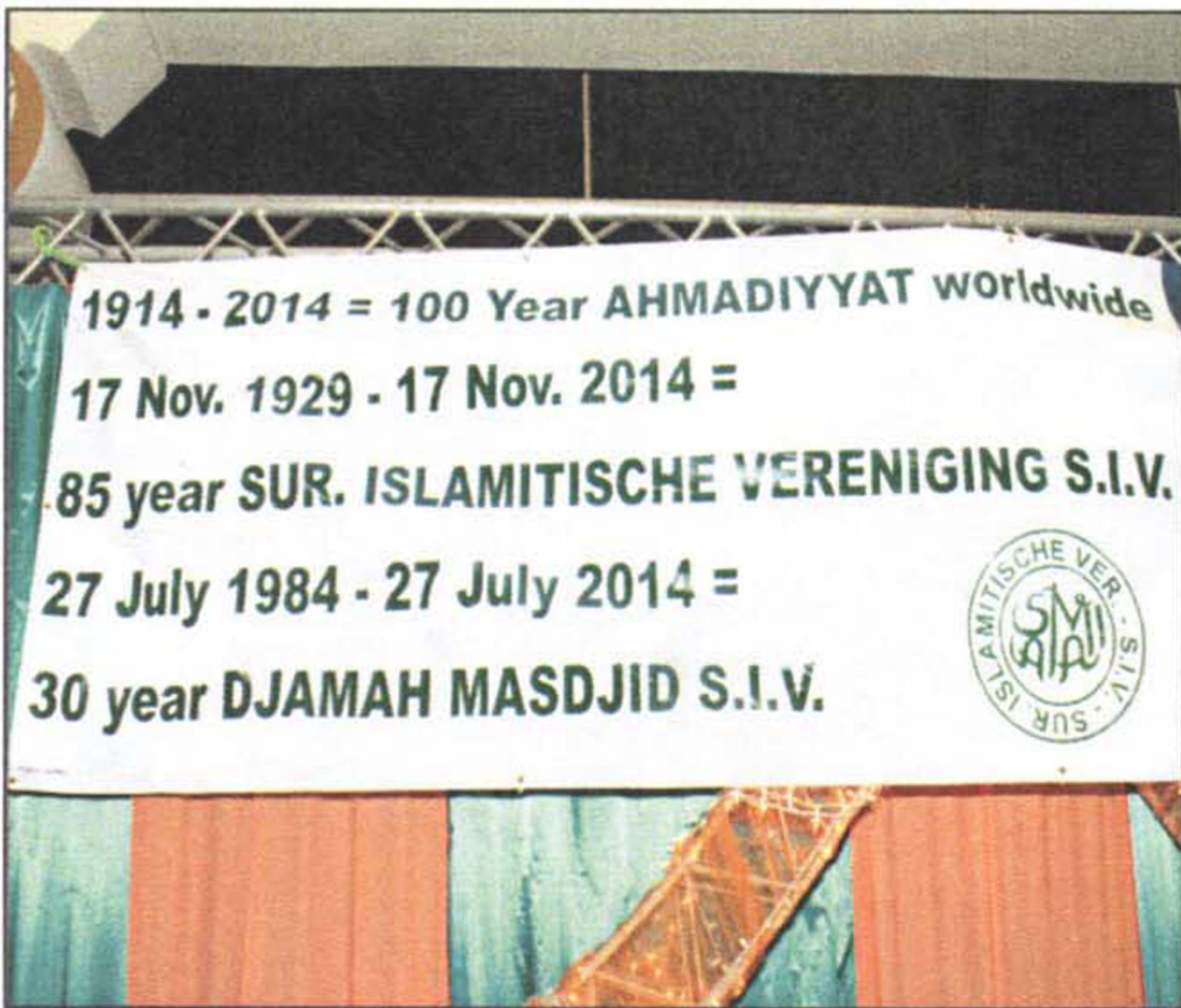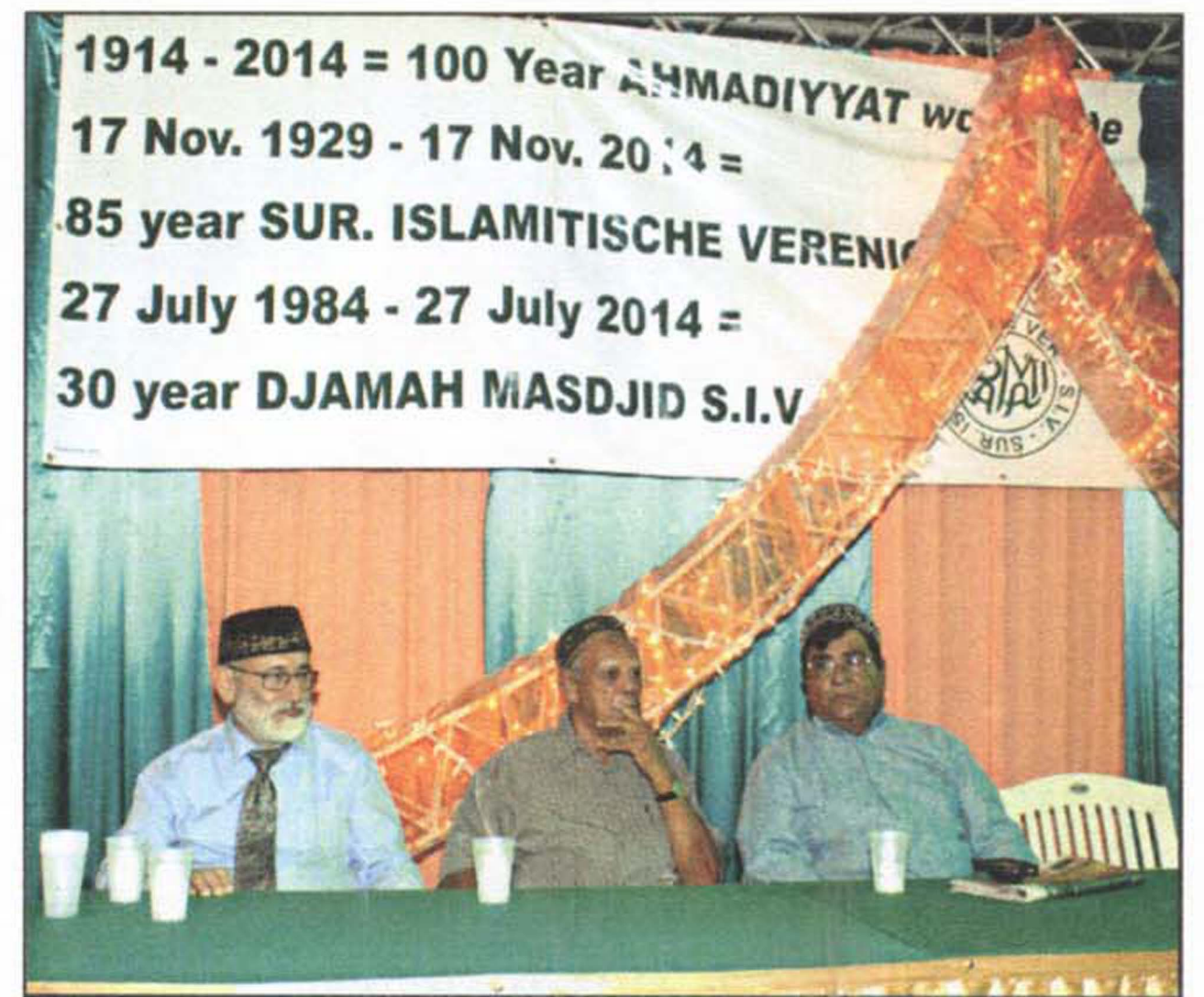
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورہ سرینام جماعت۔ مختلف جماعتوں سے ملاقات کے مناظر
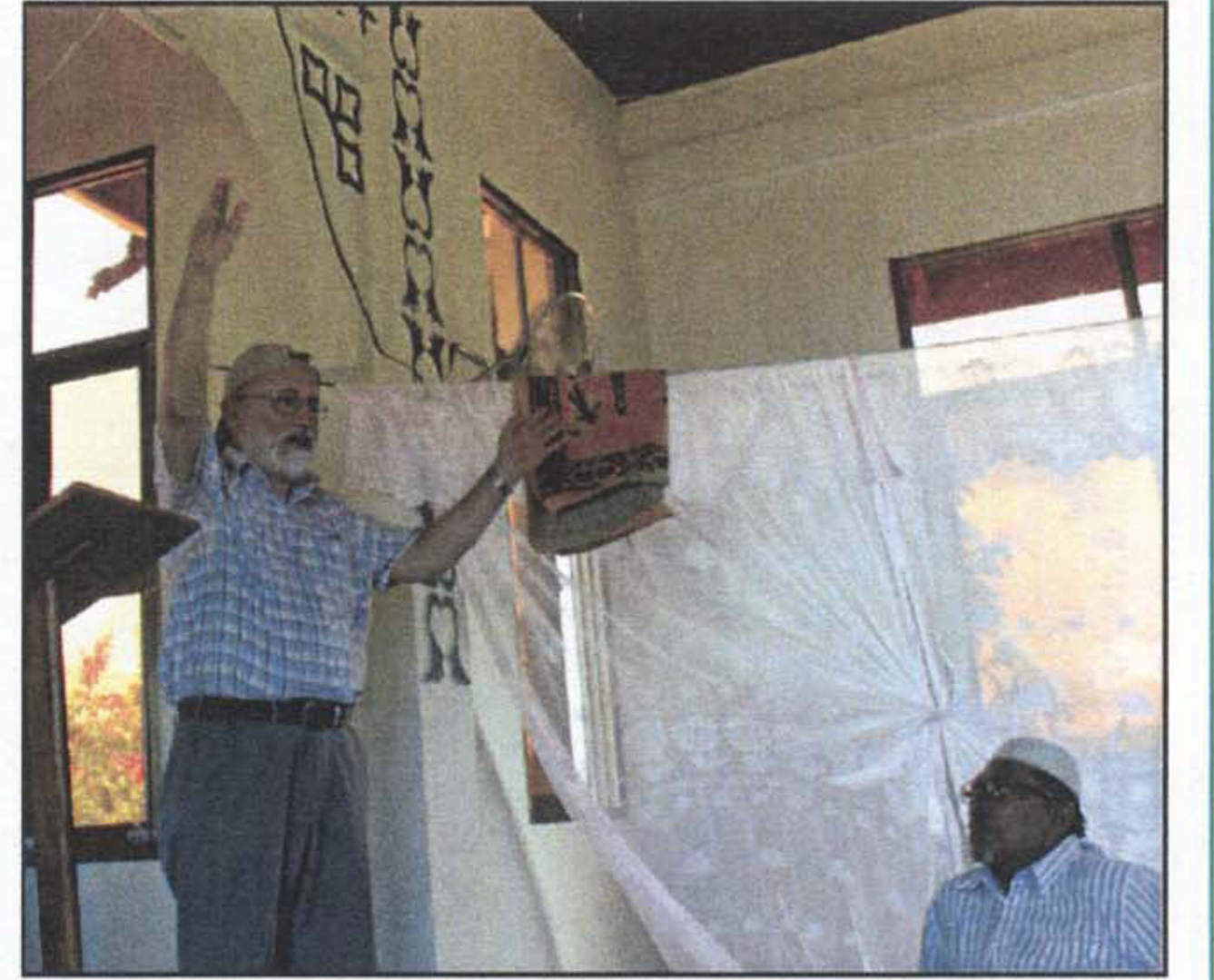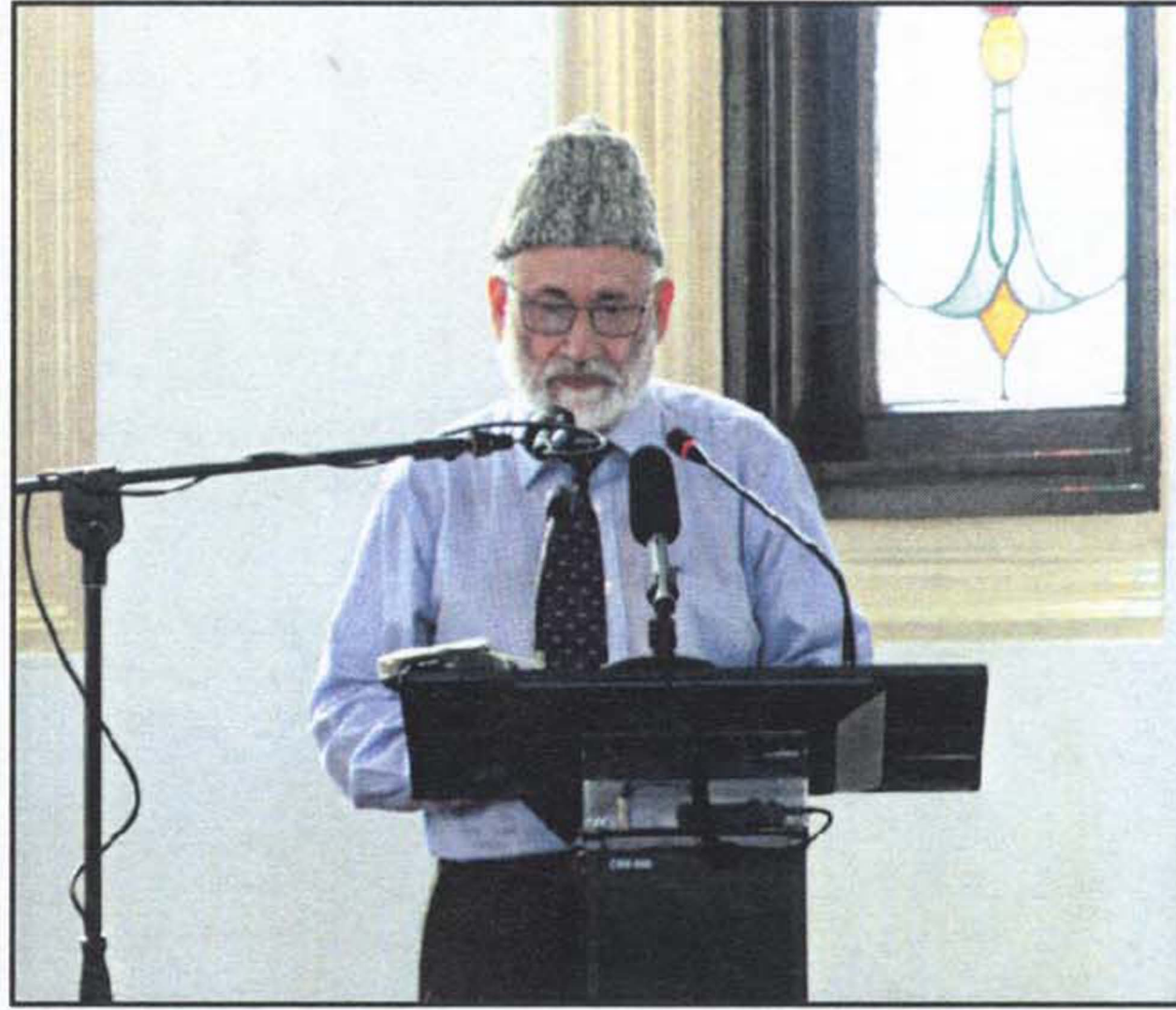
سرینام جماعت کے ماضی اور حال کی مصروفیات کا حسین امتزاج
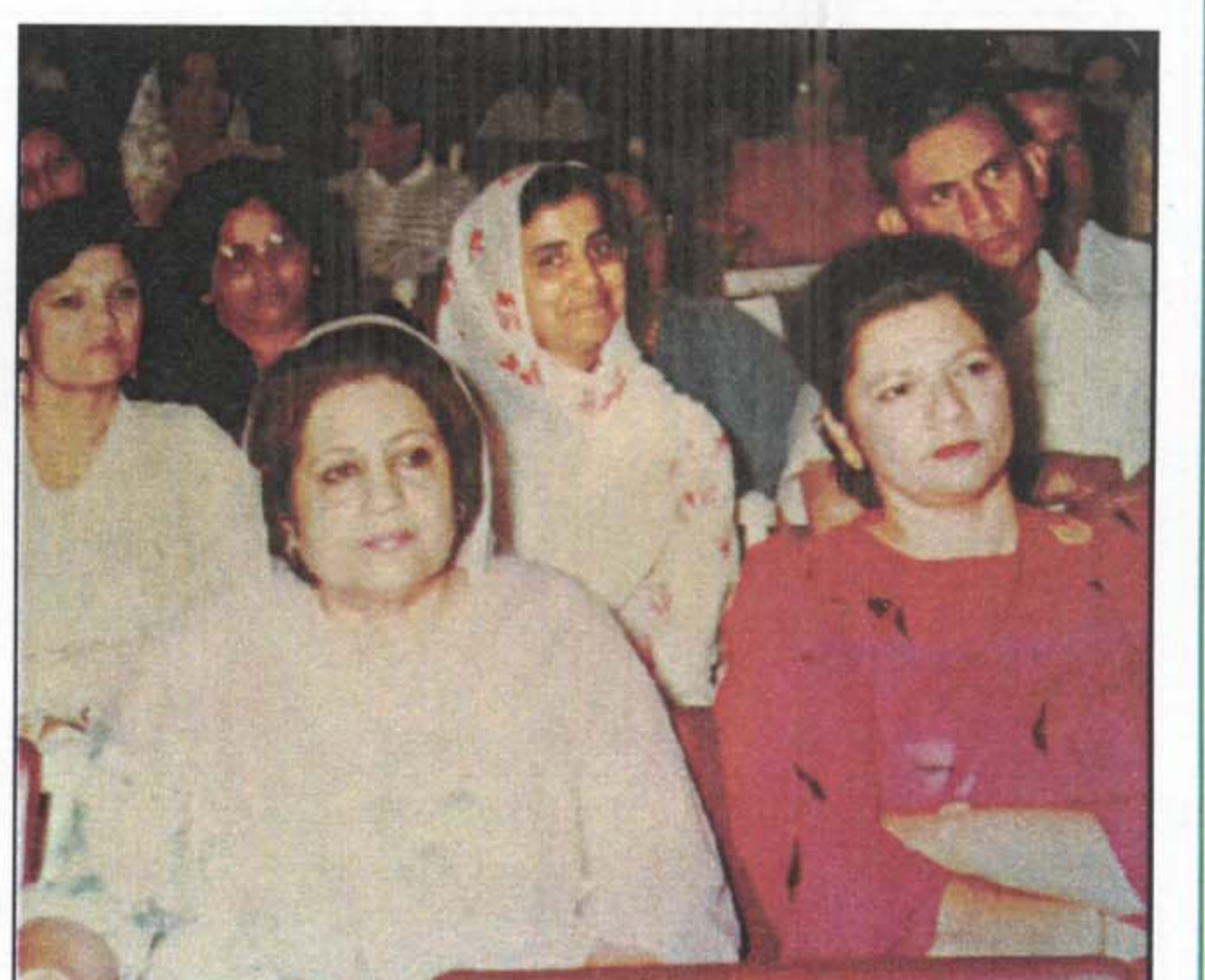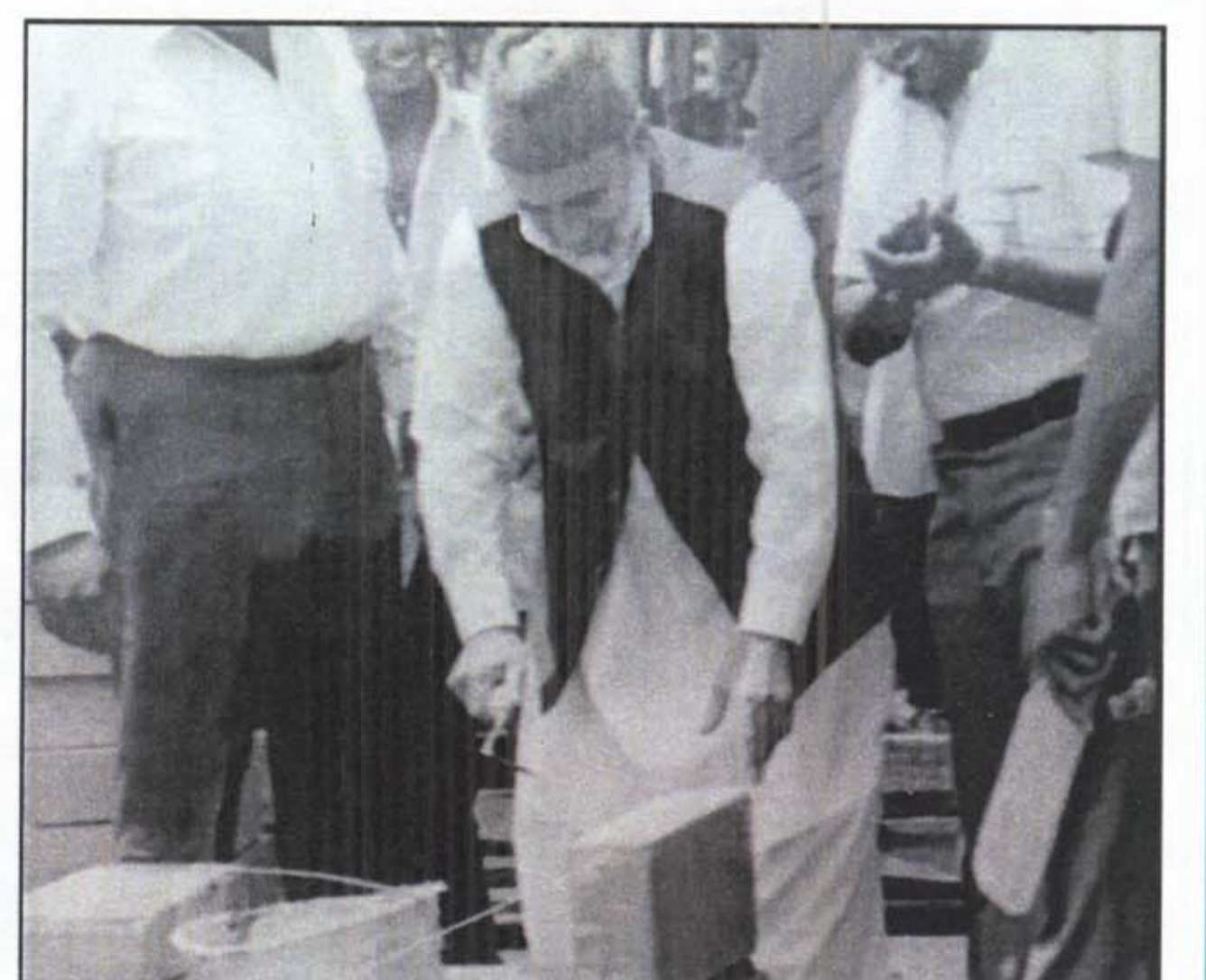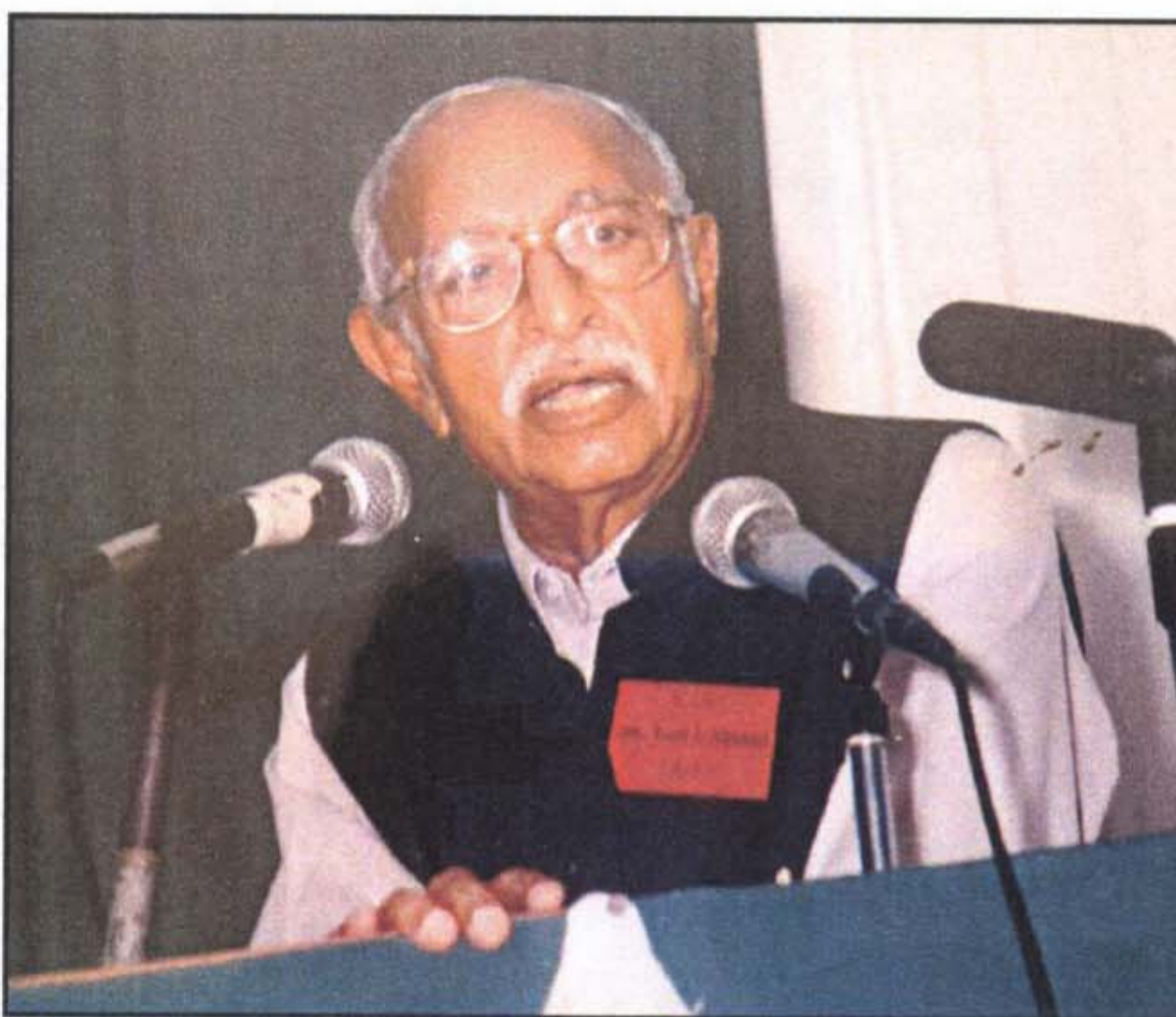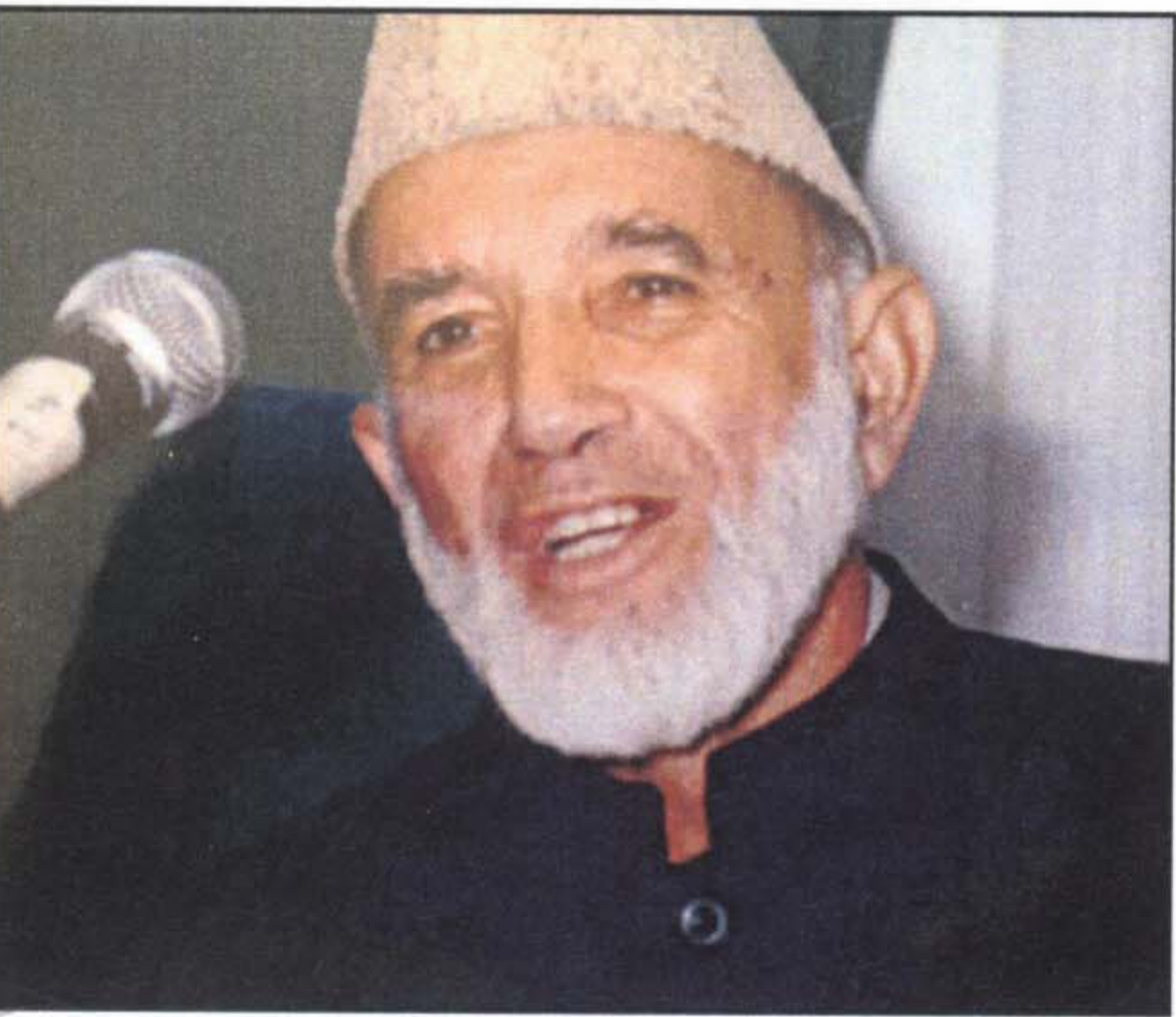
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے۔ ماضی کی عظیم ہستیوں کی سرینام اور گیانا میں مختلف مصروفیات کے مناظر

امیر سوئم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانؒ جامع سرینام کا افتتاح کرتے ہوئے
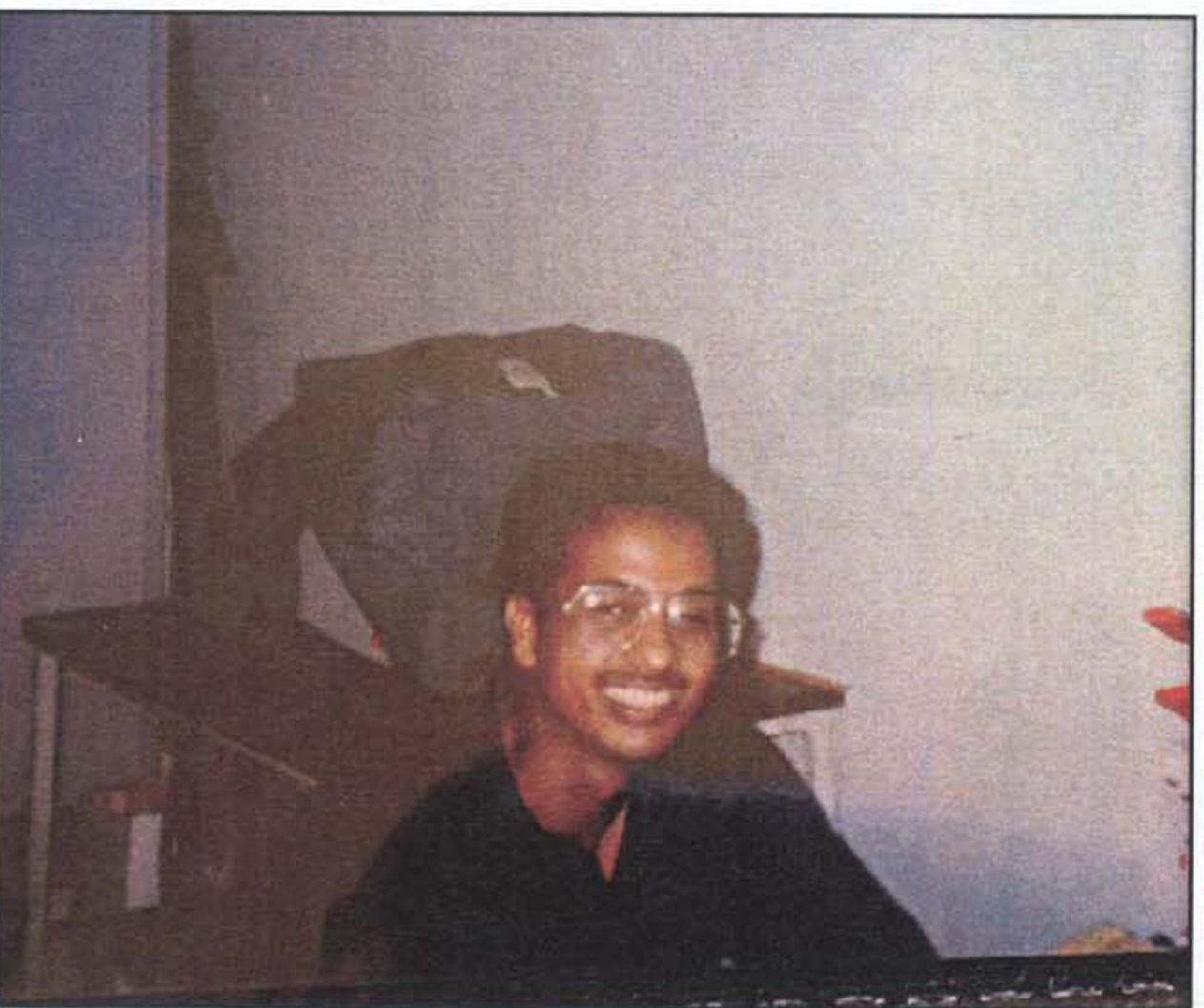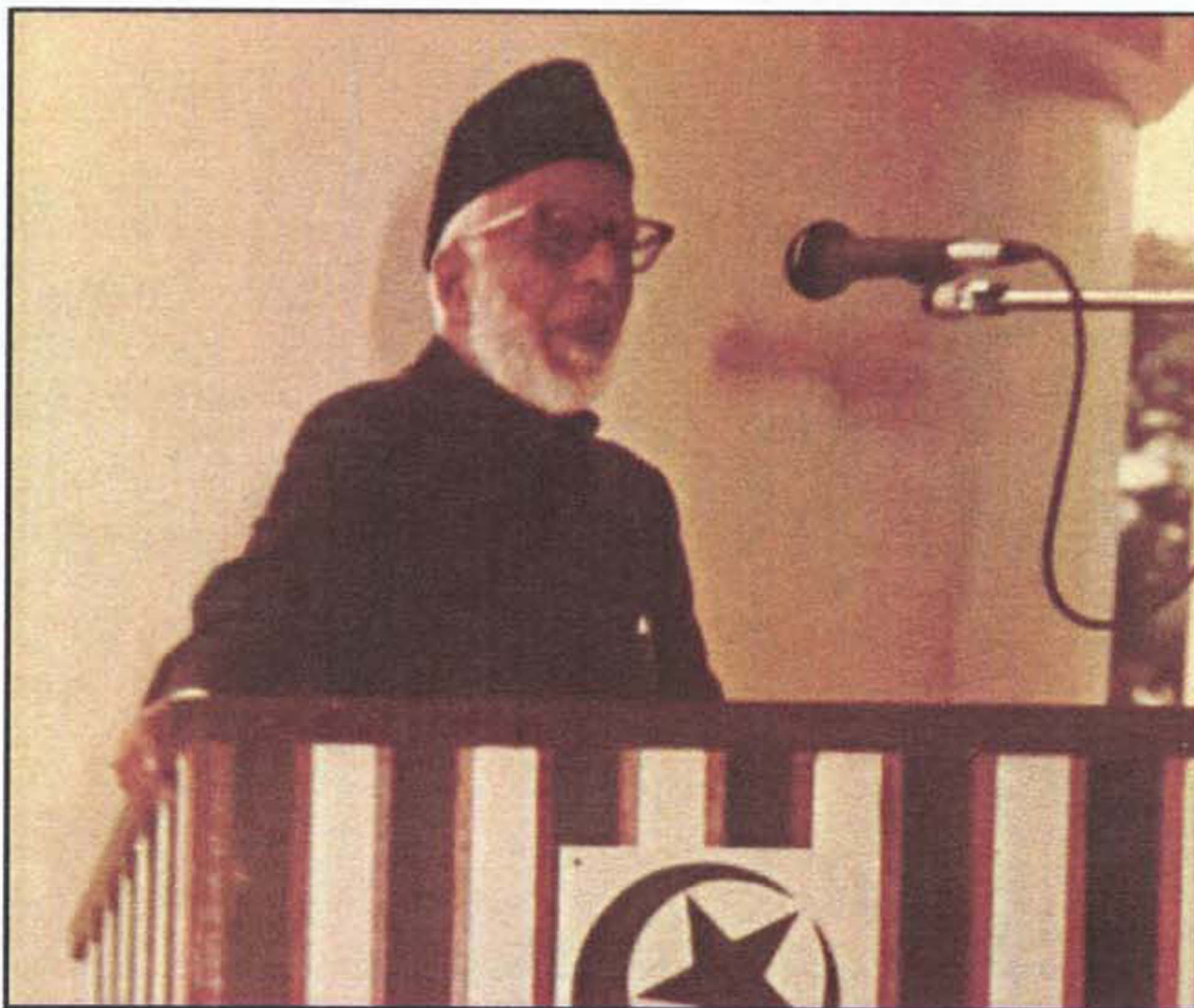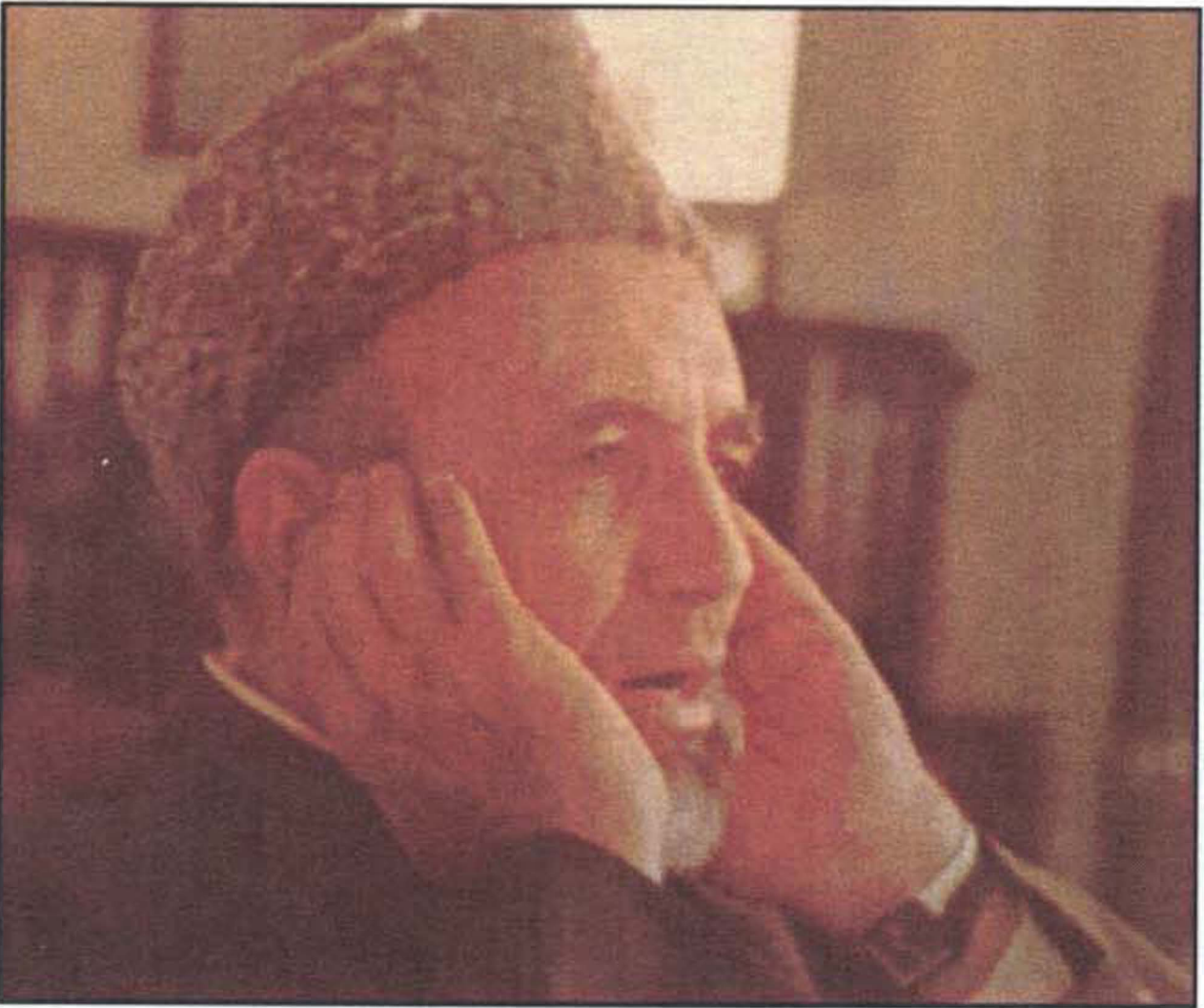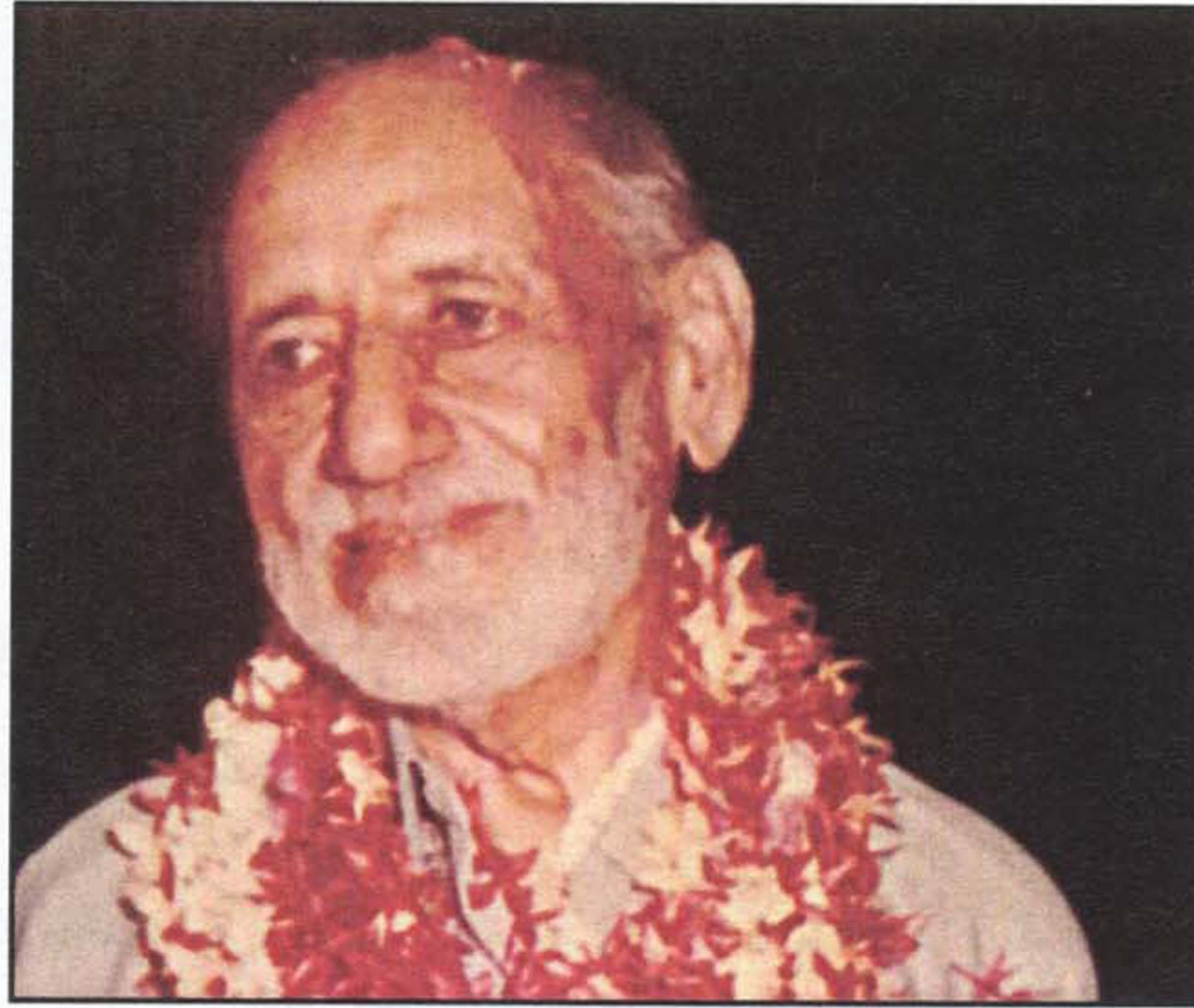
پاکستان میں مختلف جماعتوں کے دورہ جات کی جھلکیاں
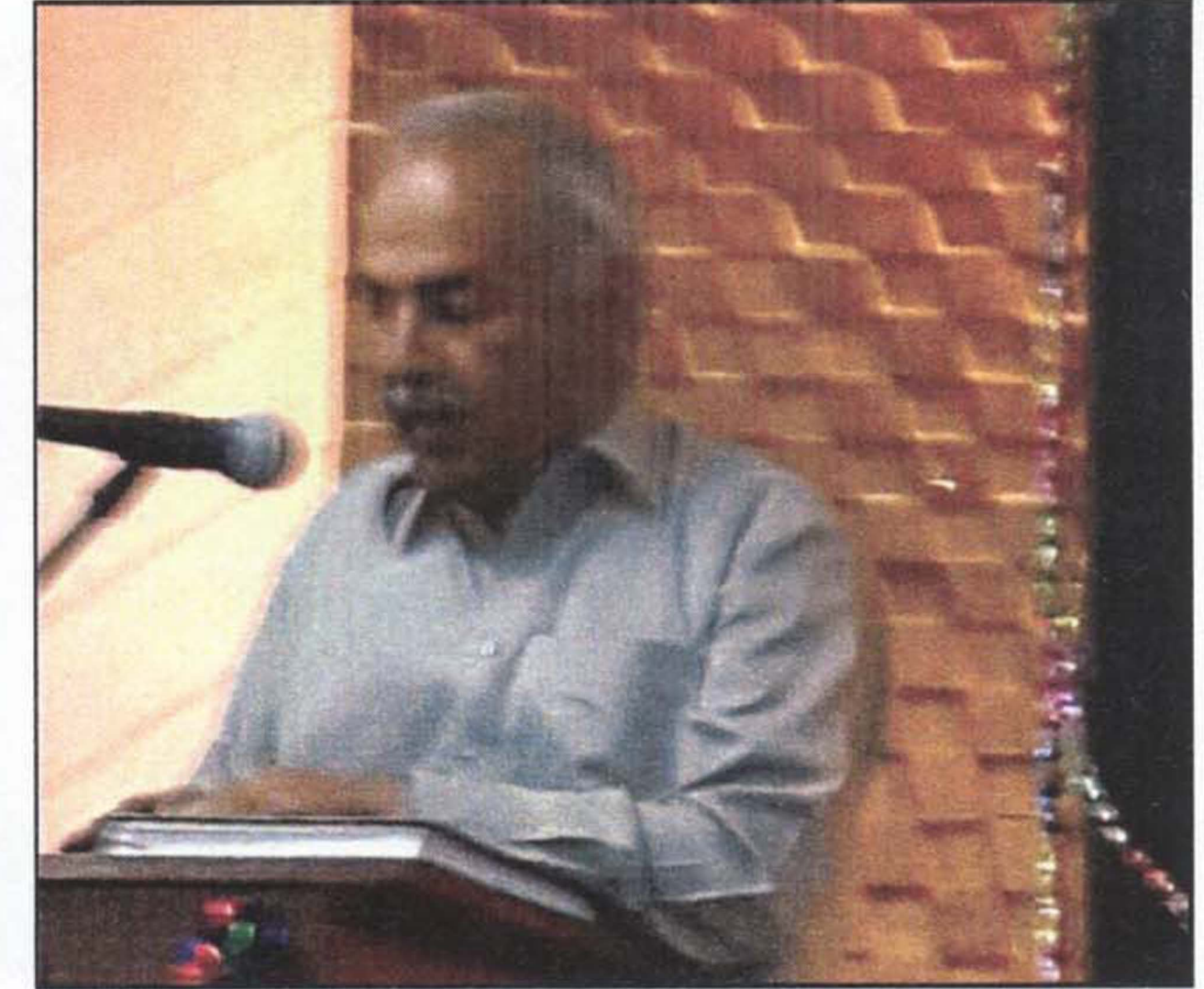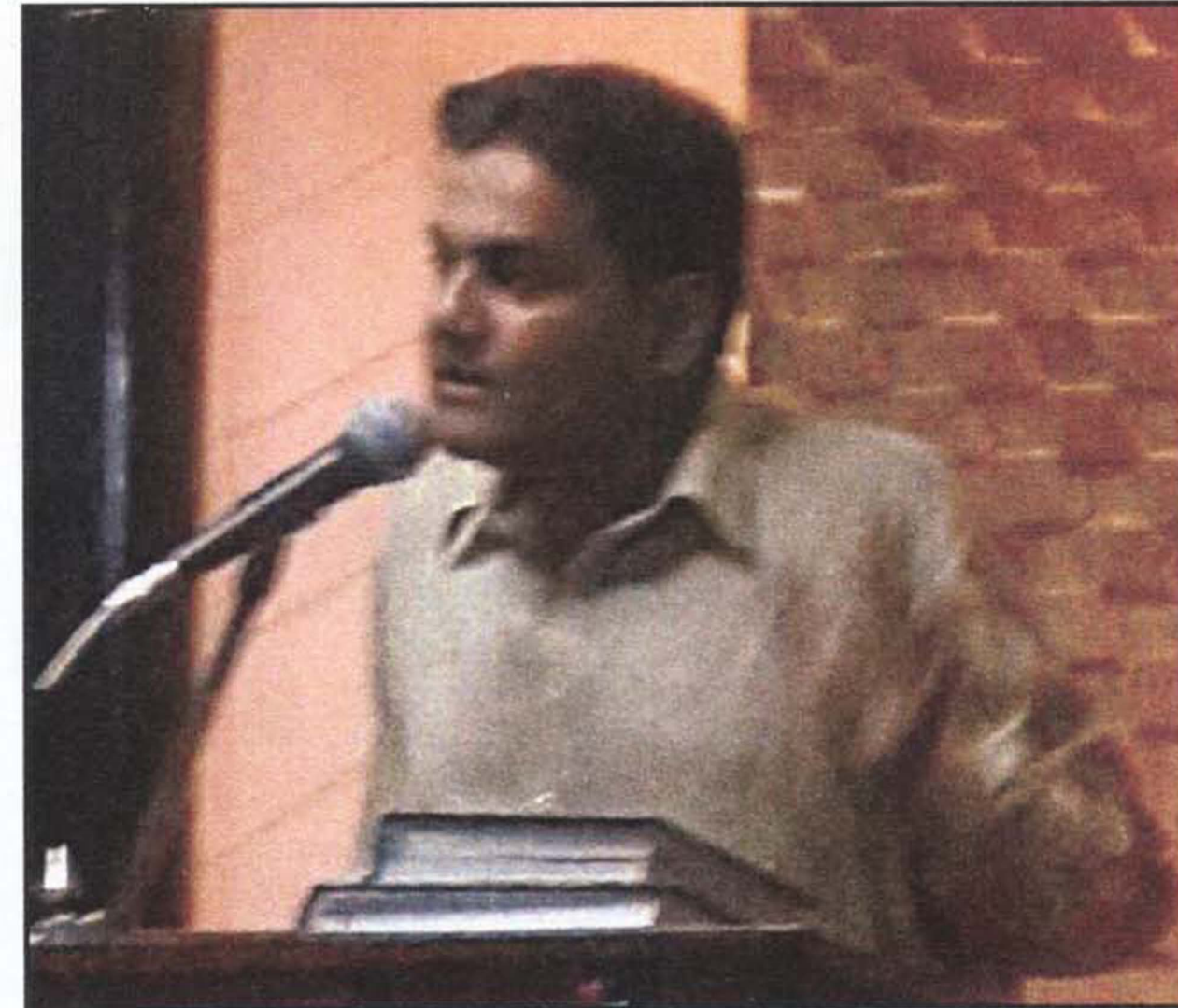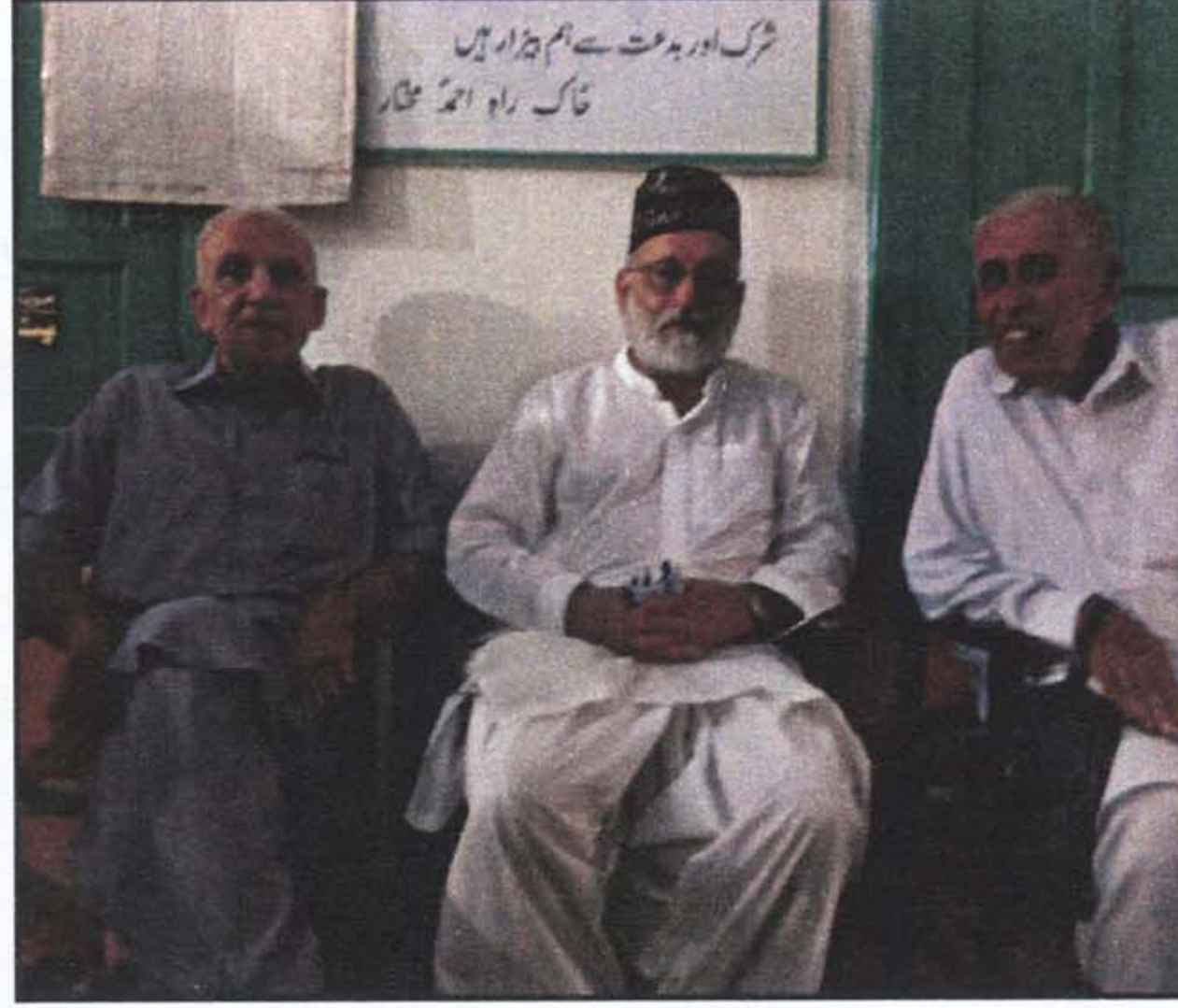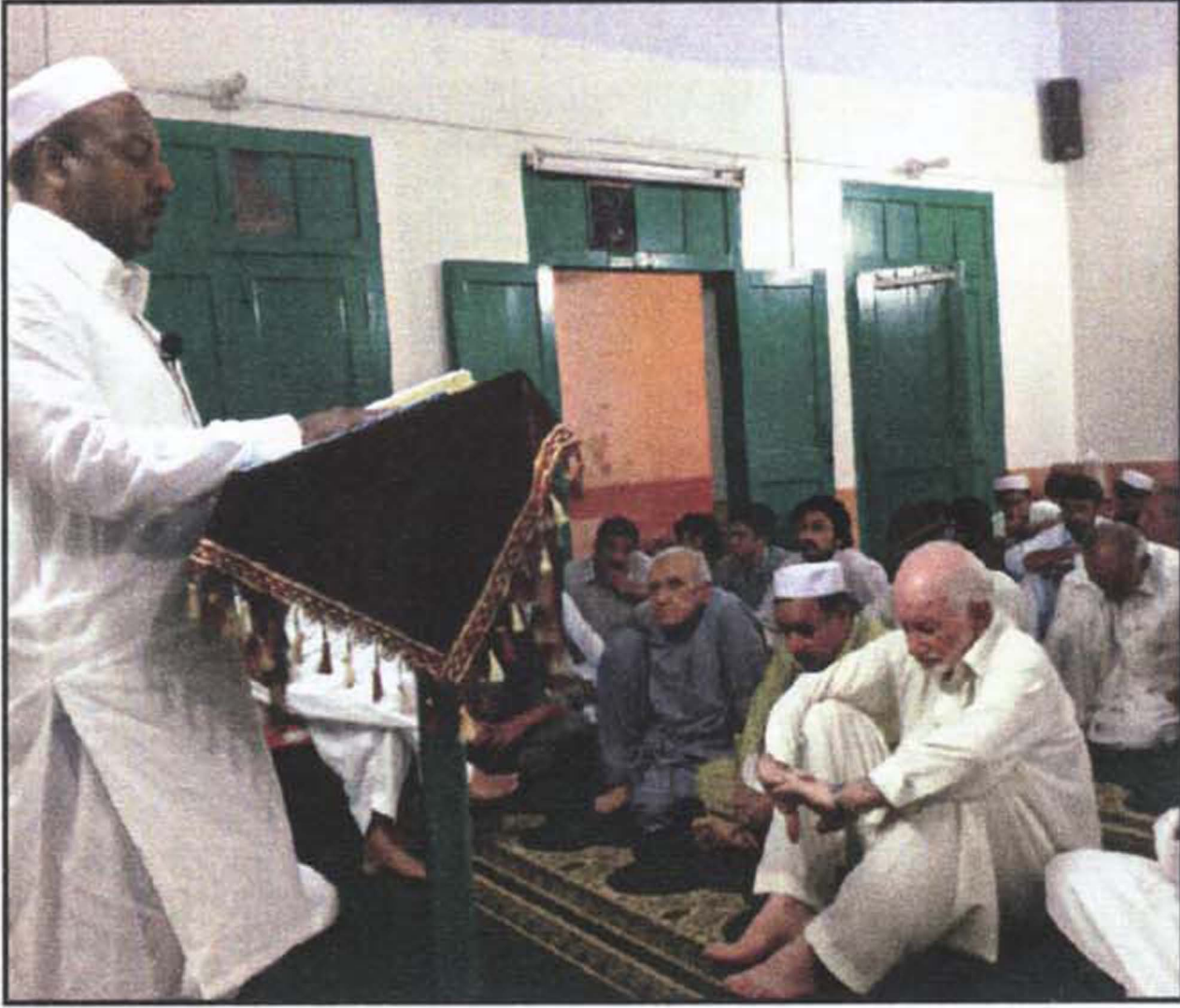
سالانہ تربیتی کورس 2014ء میں عملی تربیت کے مناظر
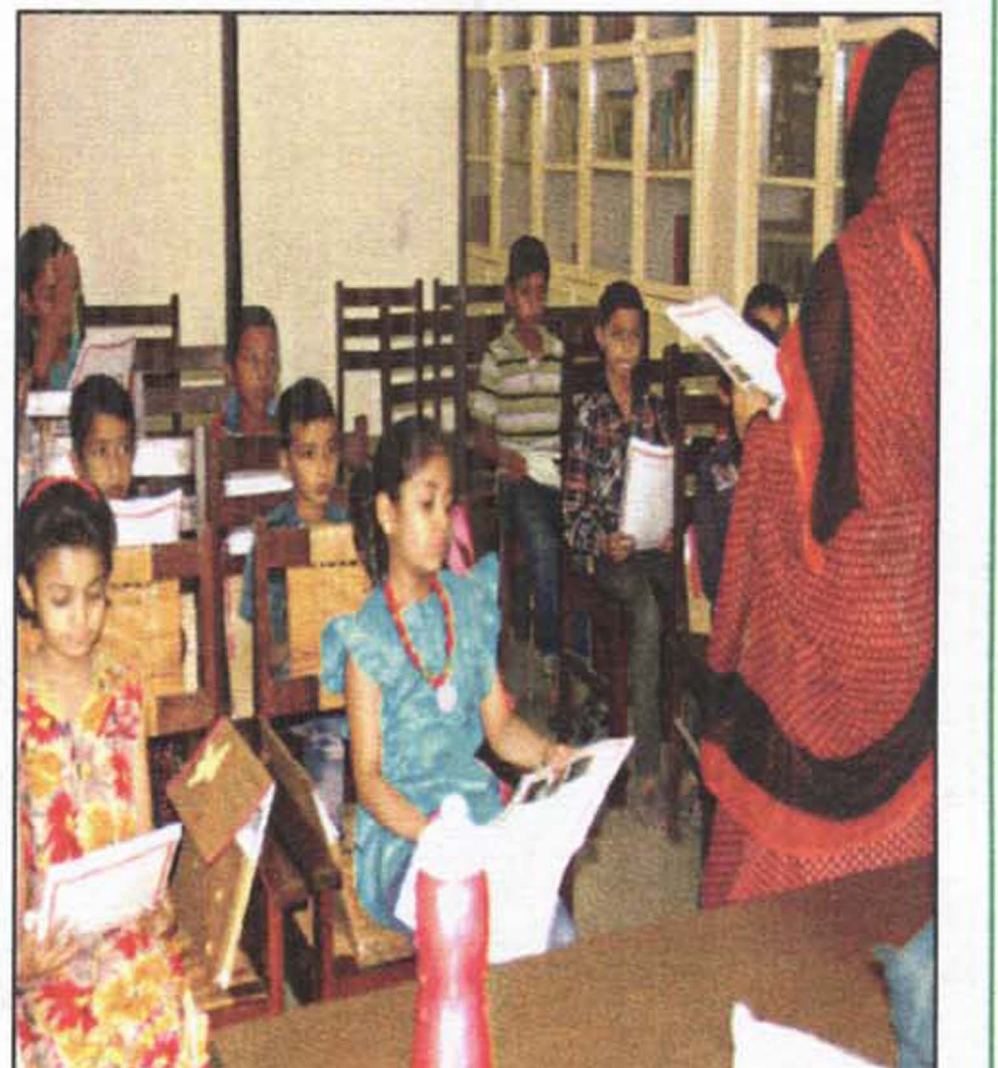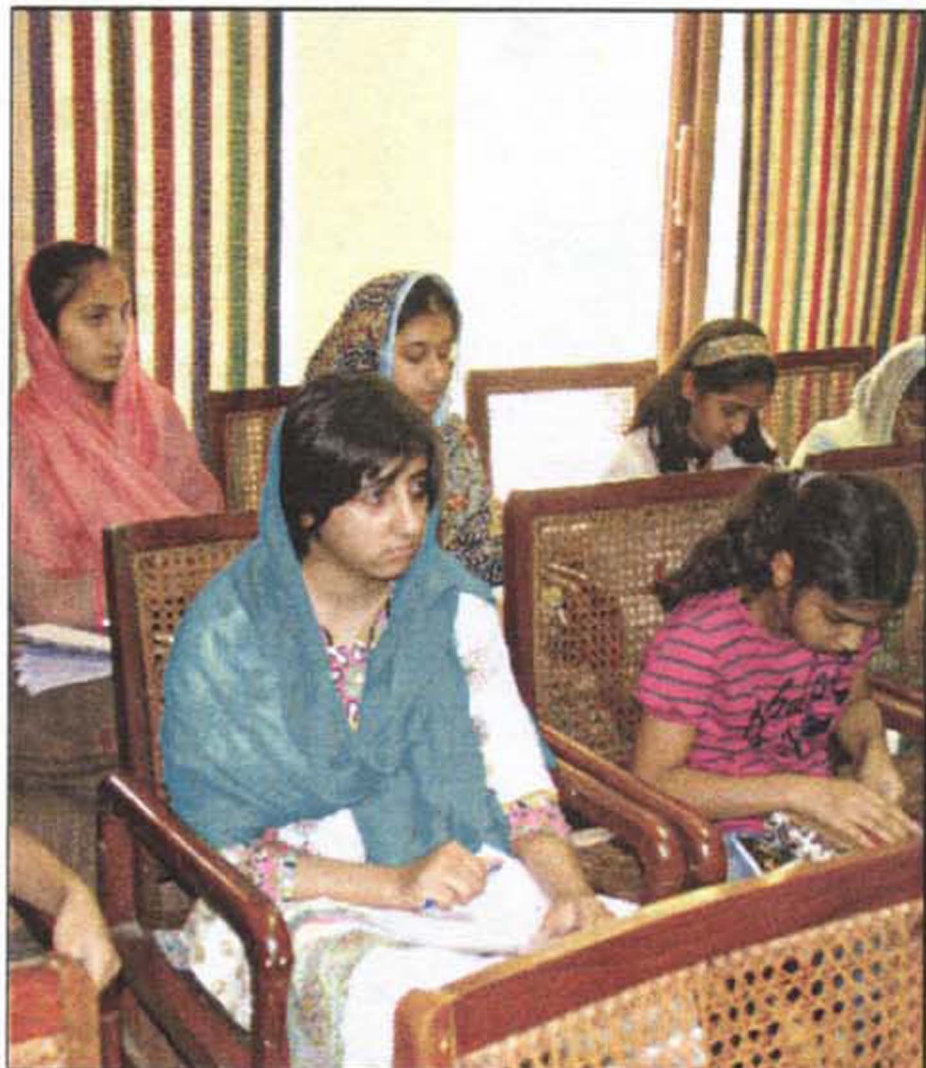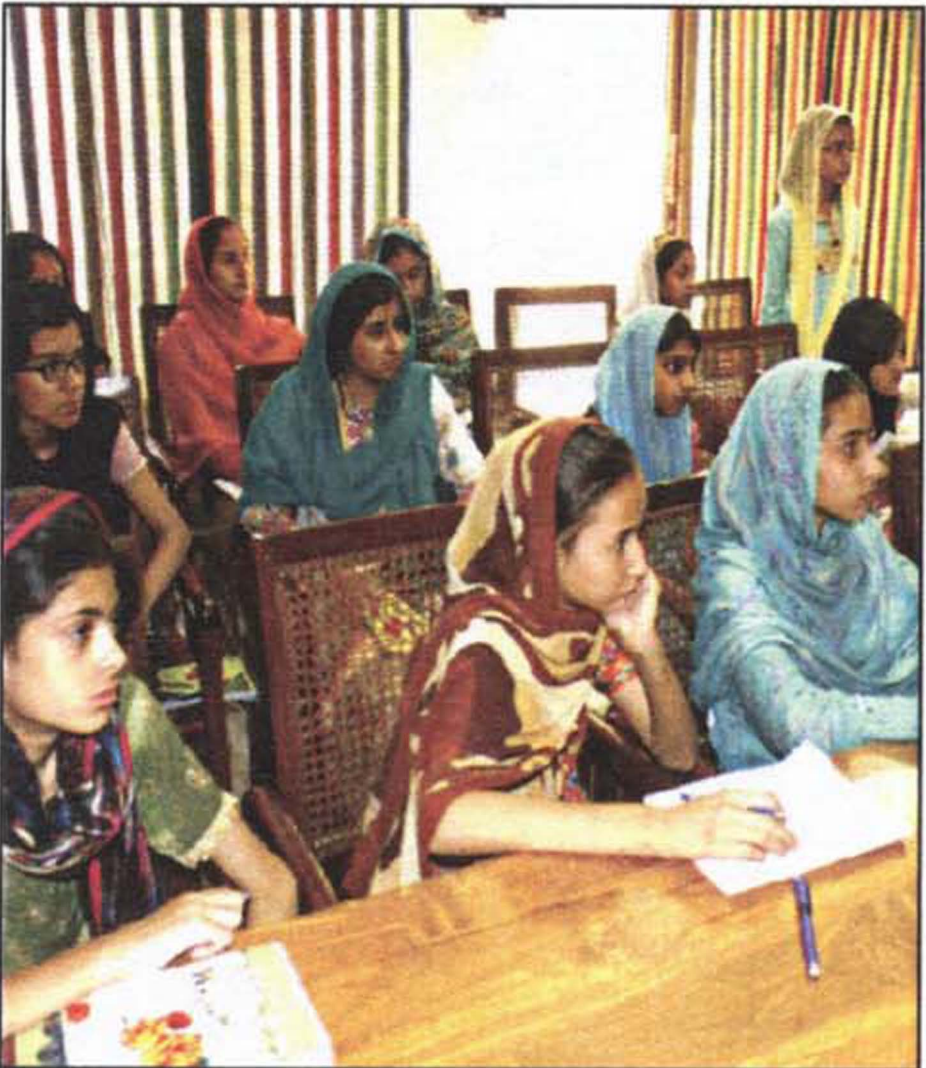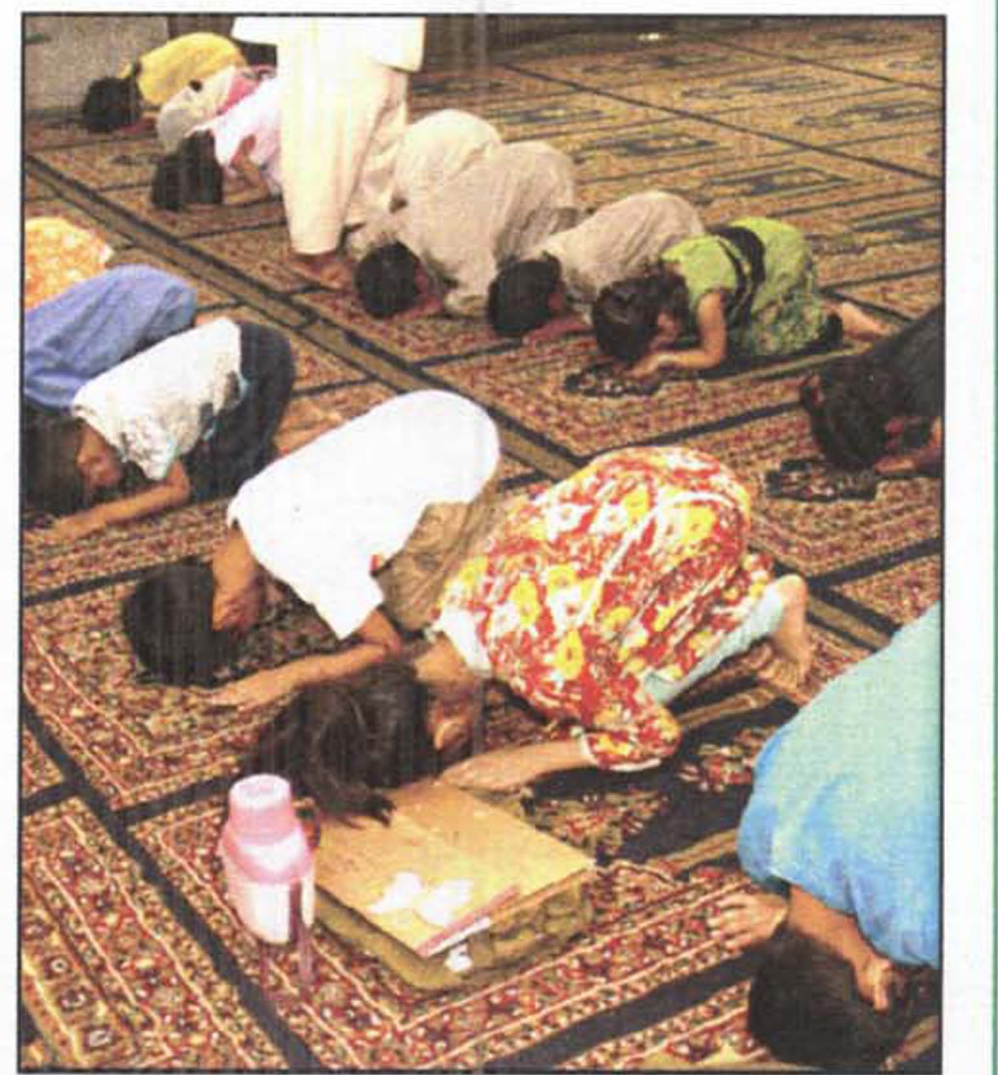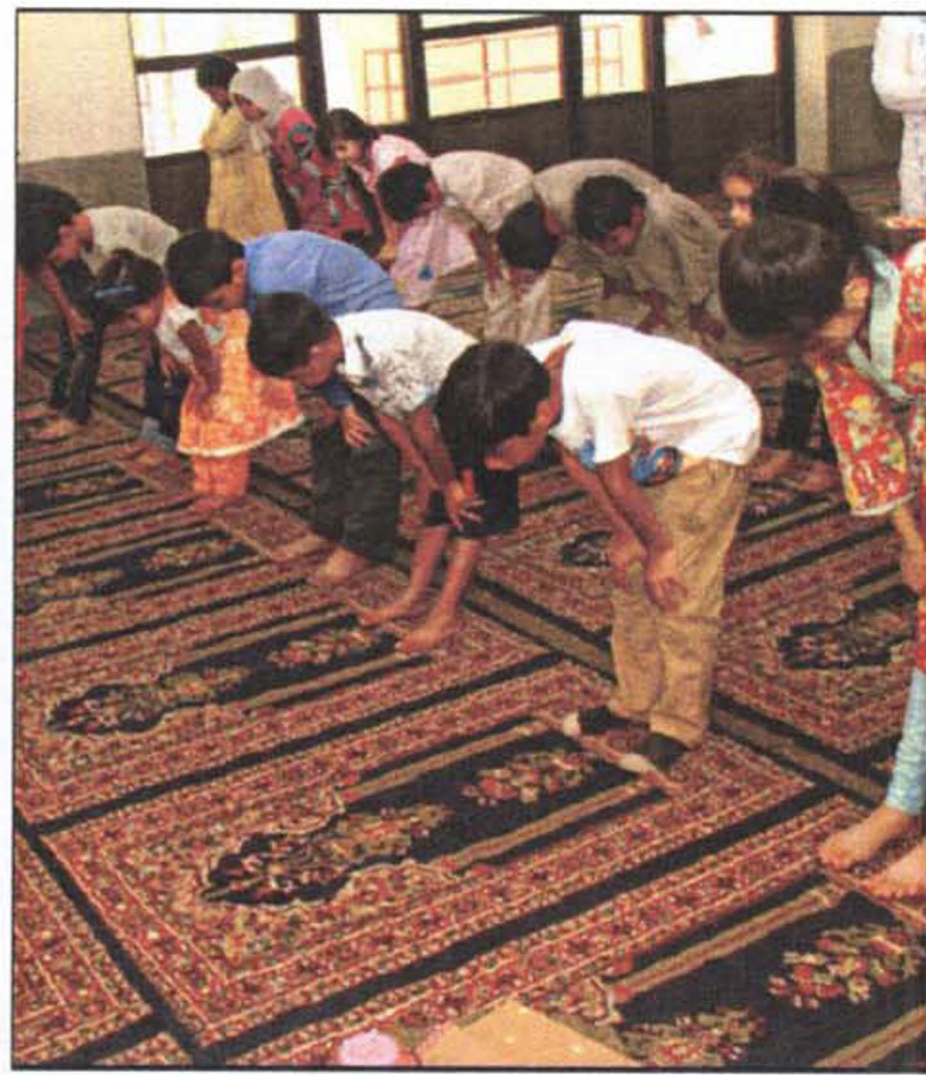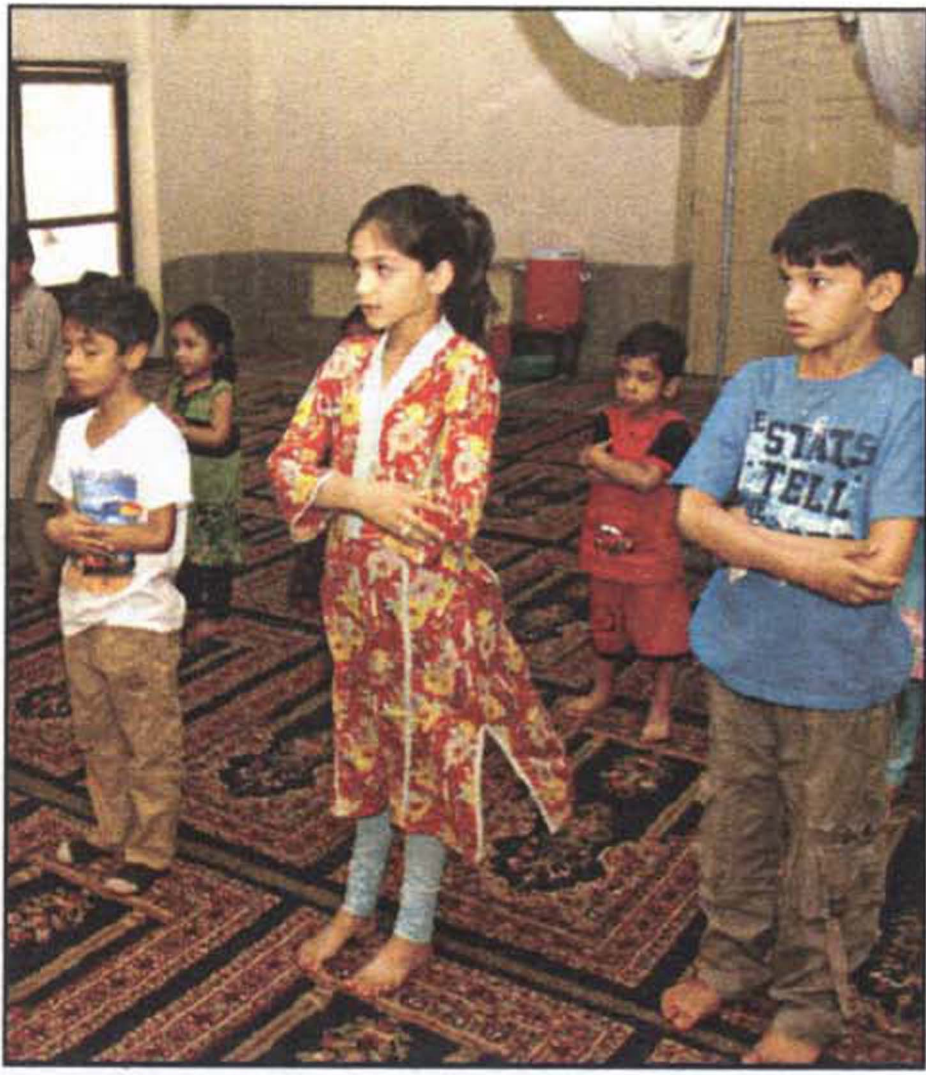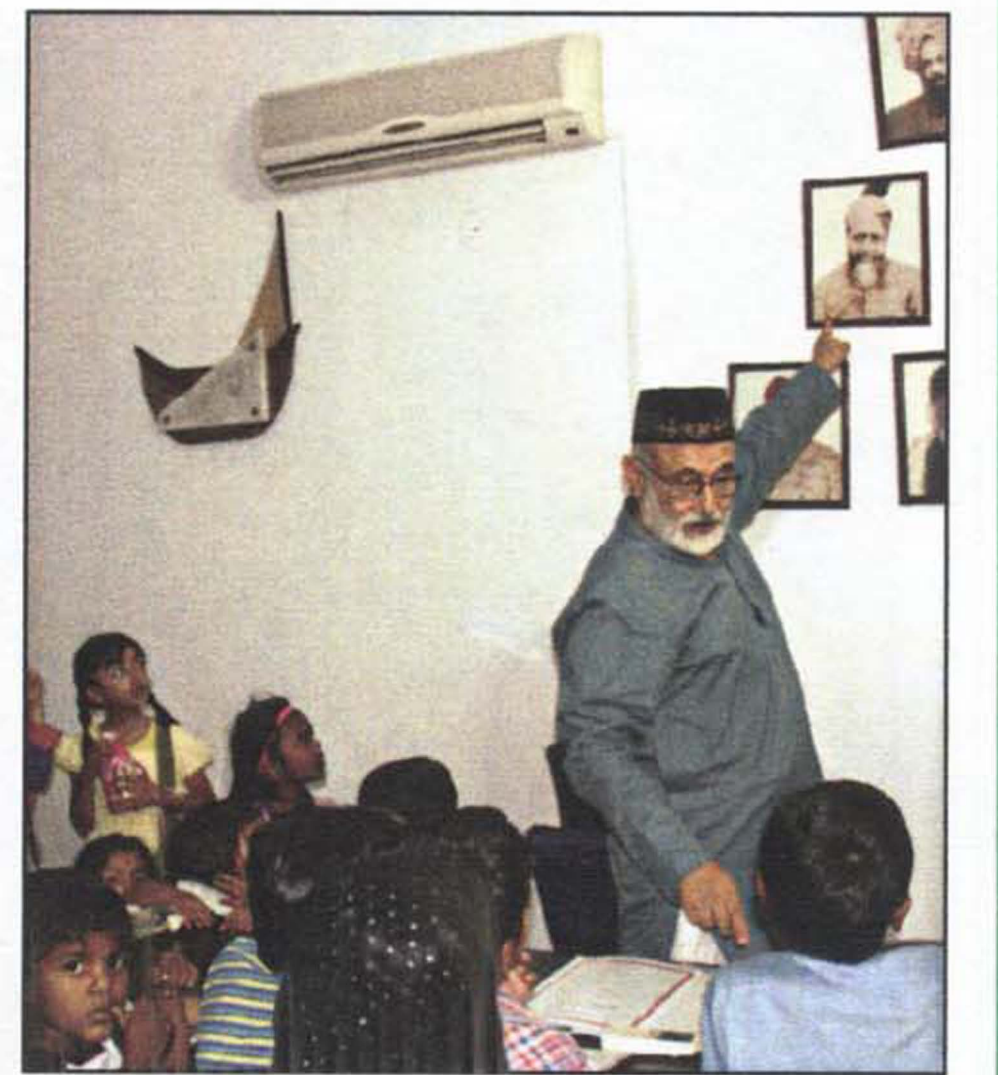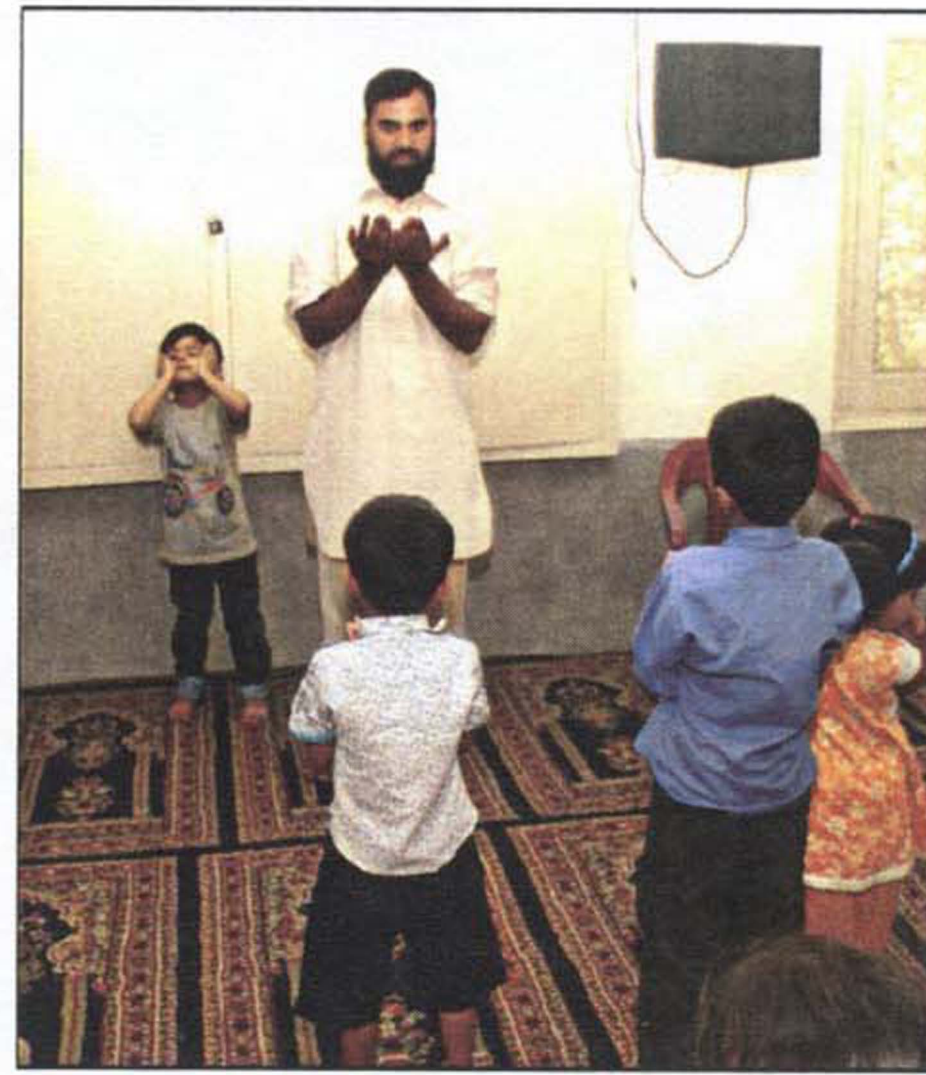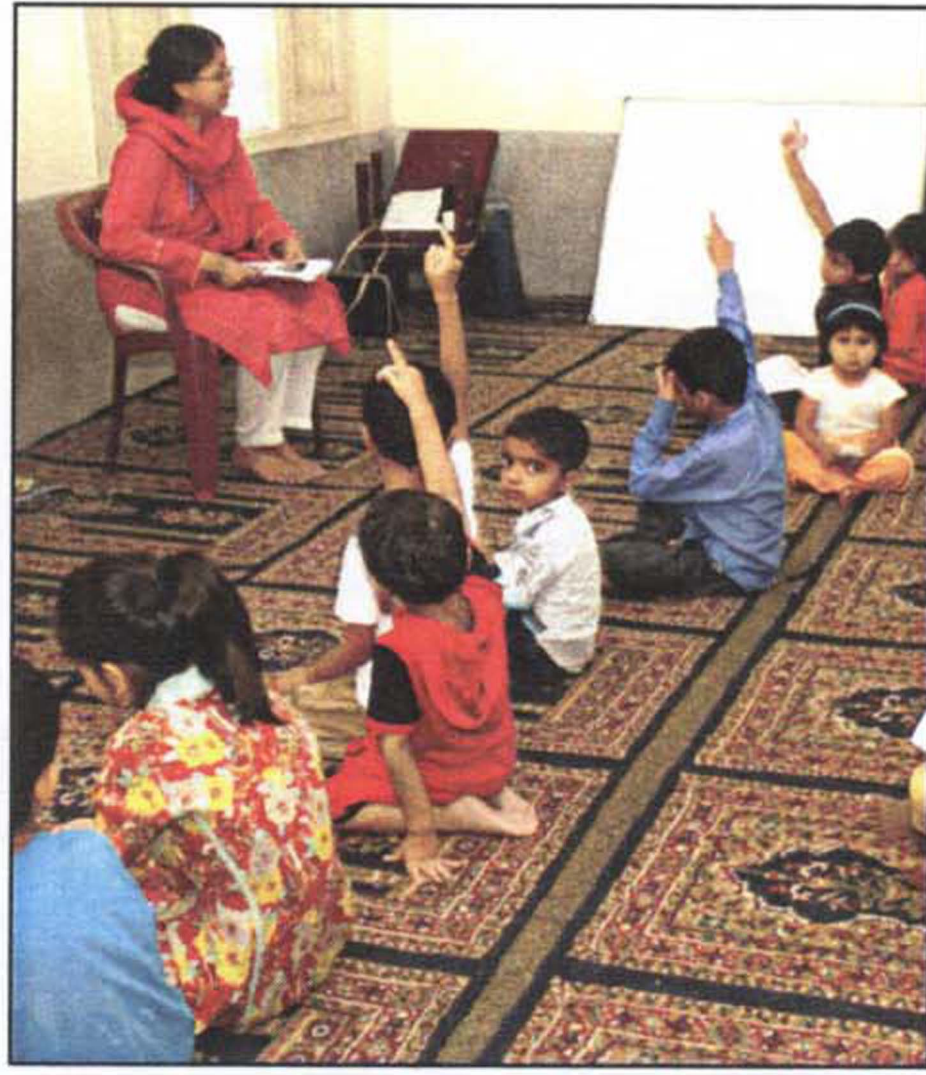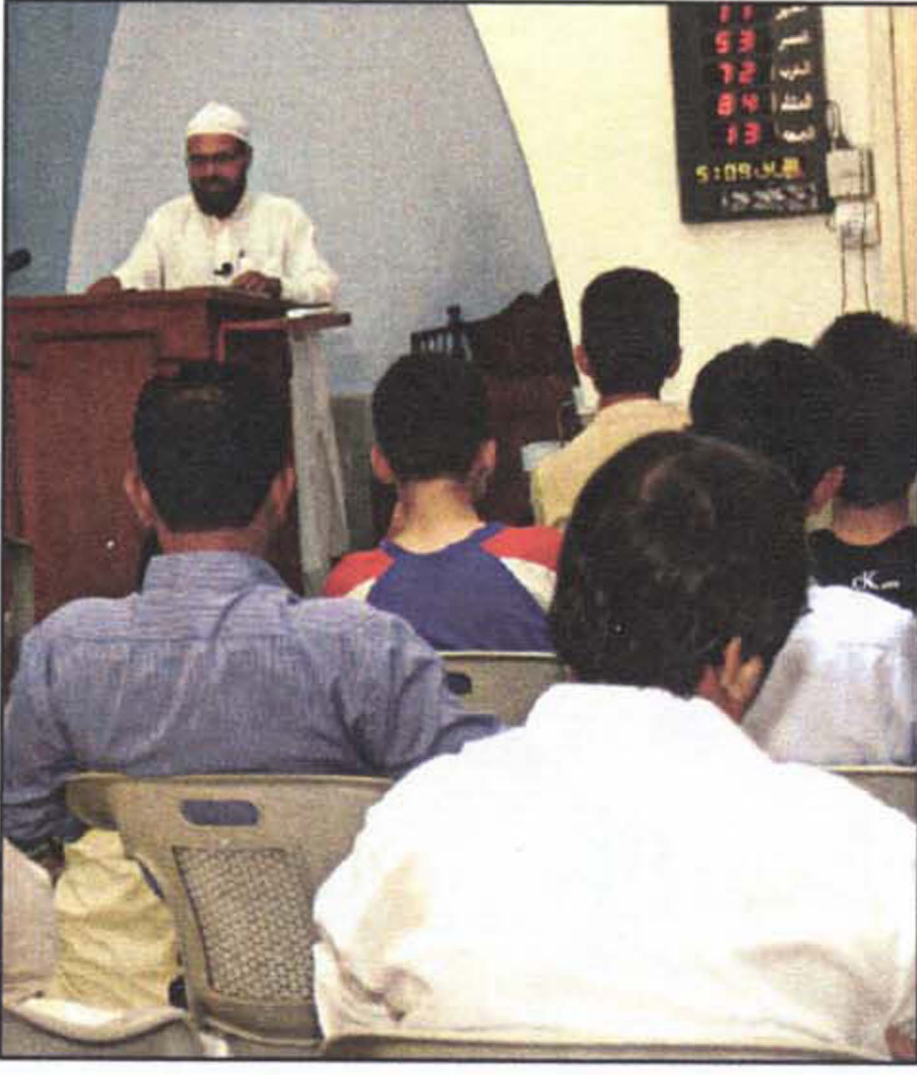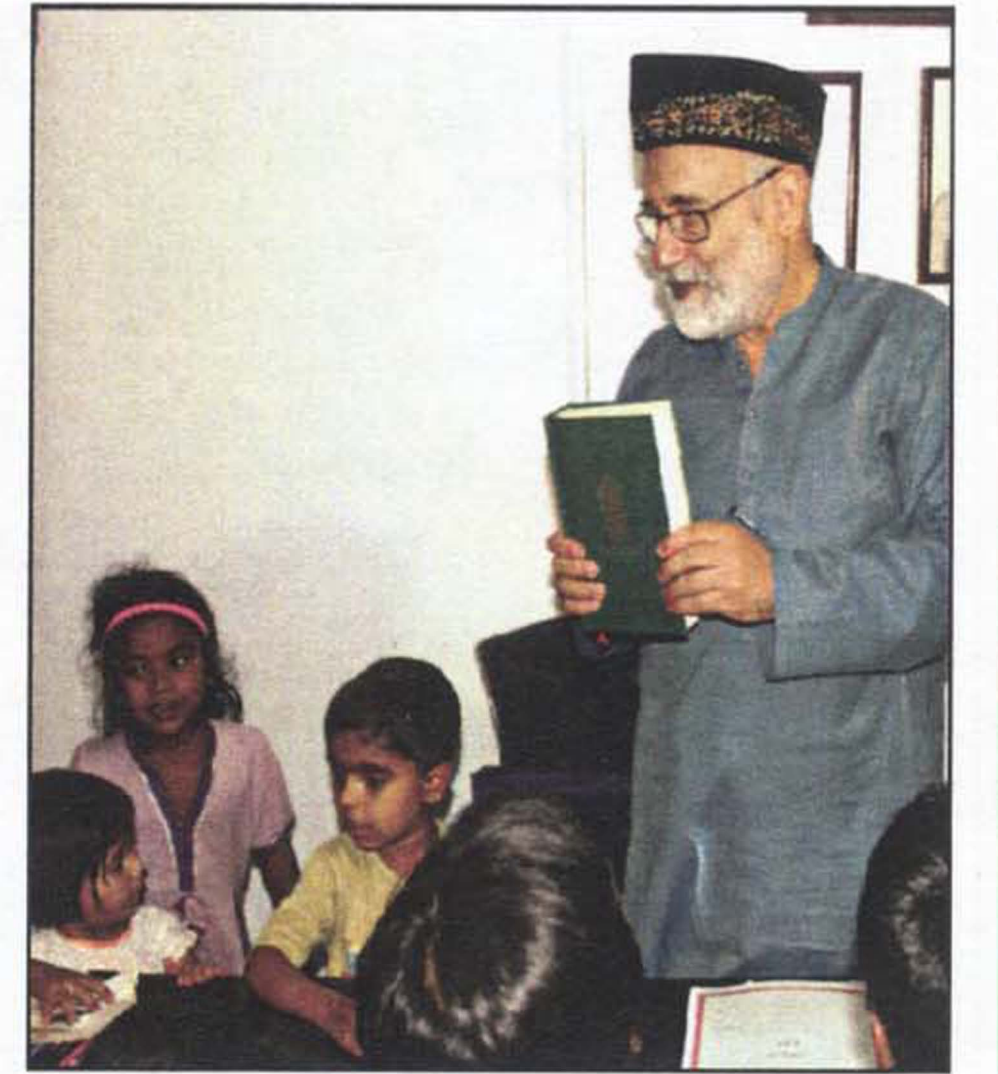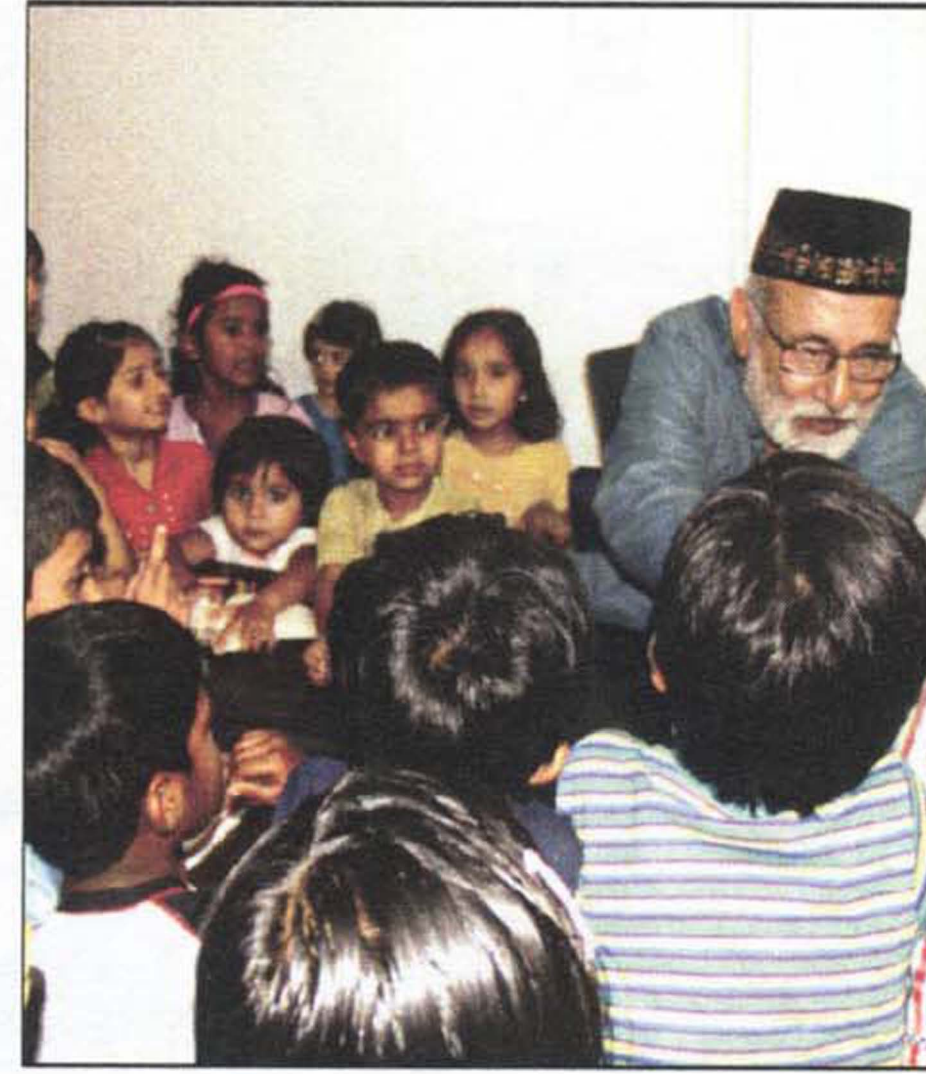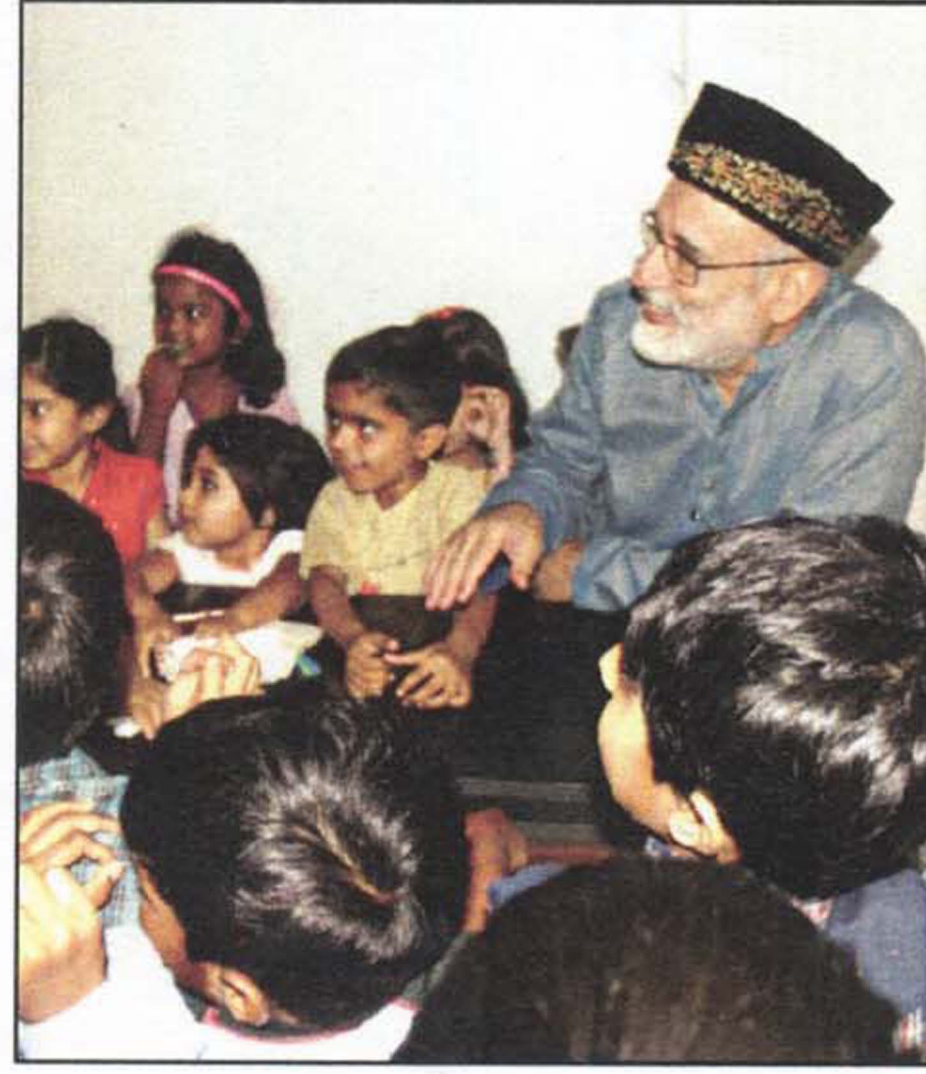
سالانہ تربیتی کورس 2014ء میں عملی تربیت کے مناظر
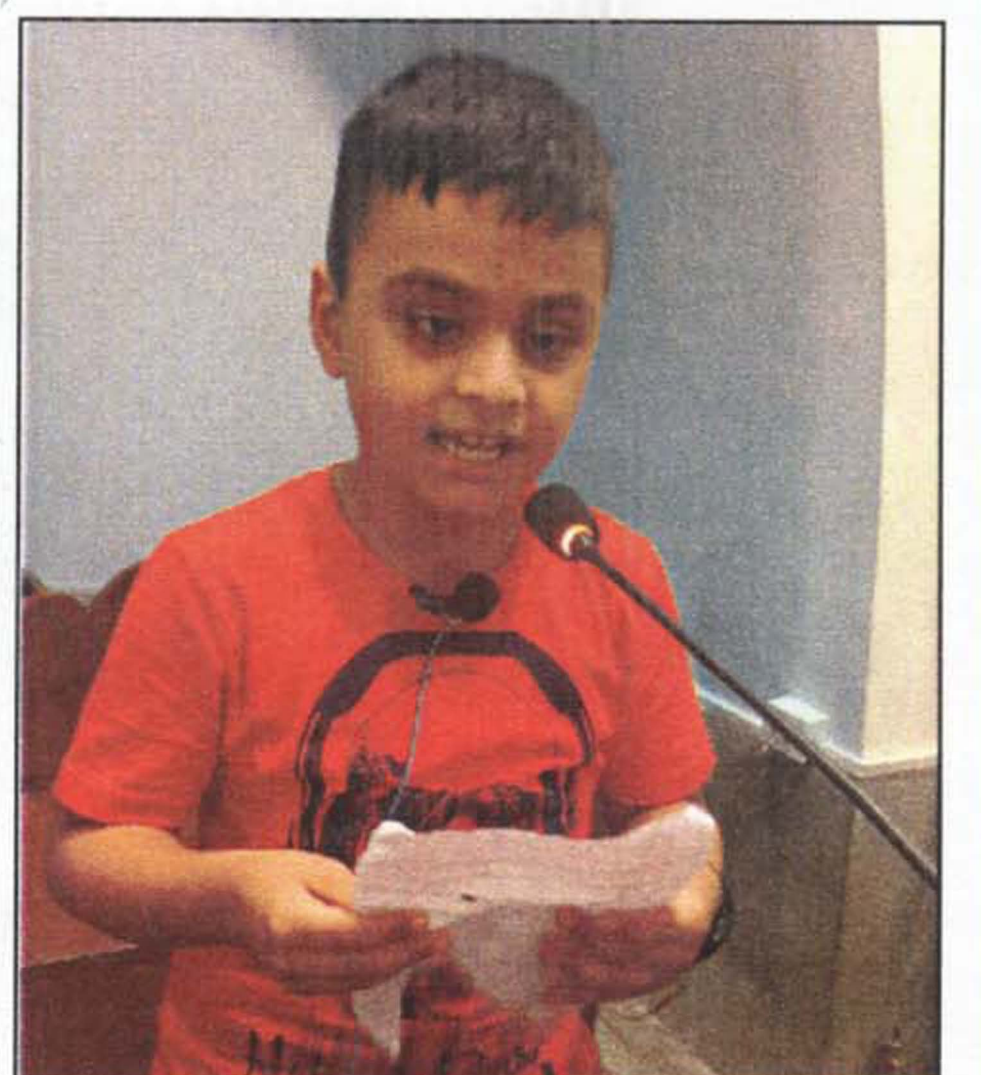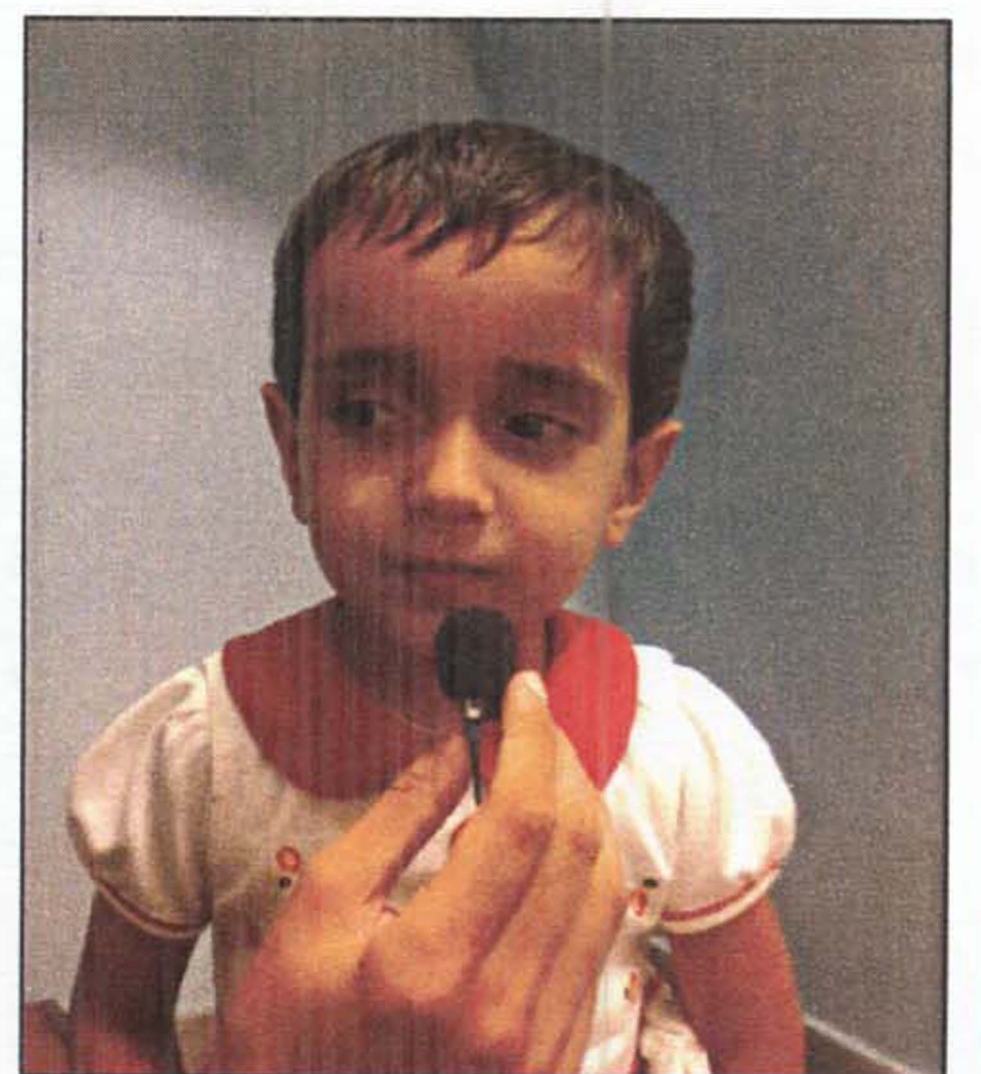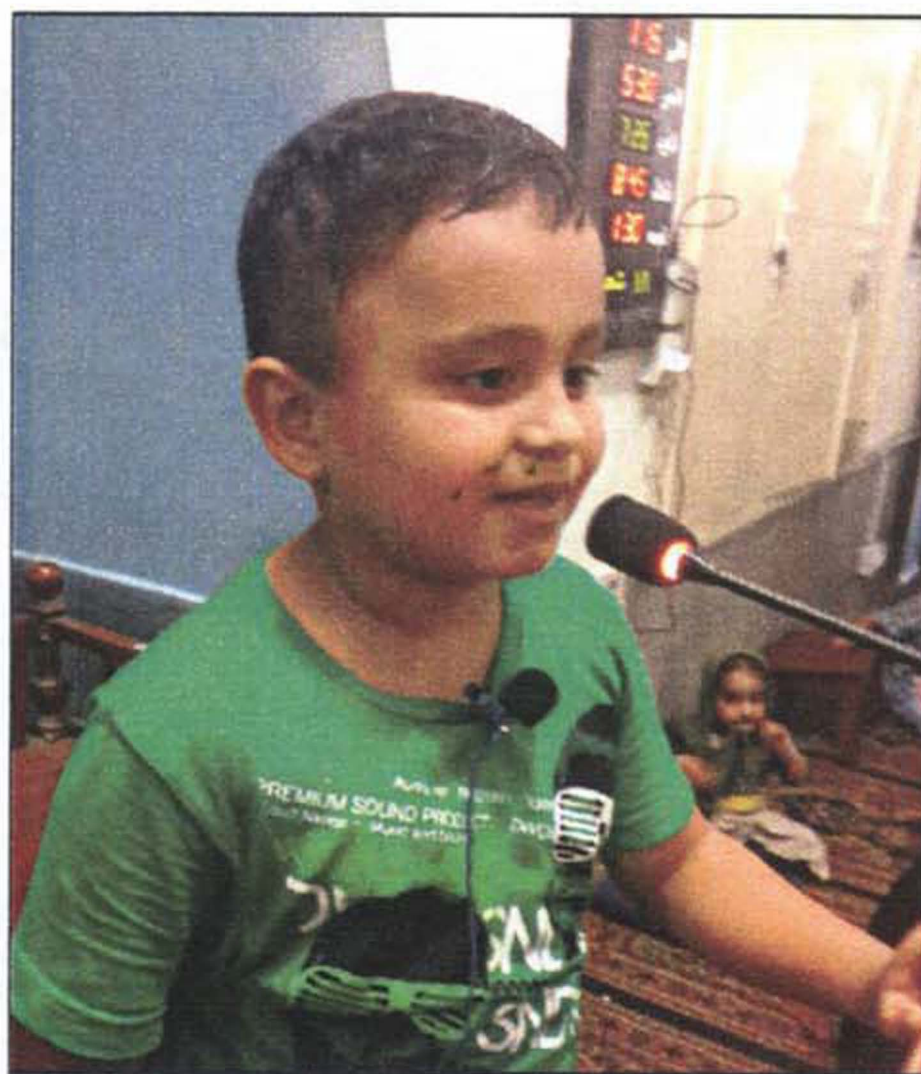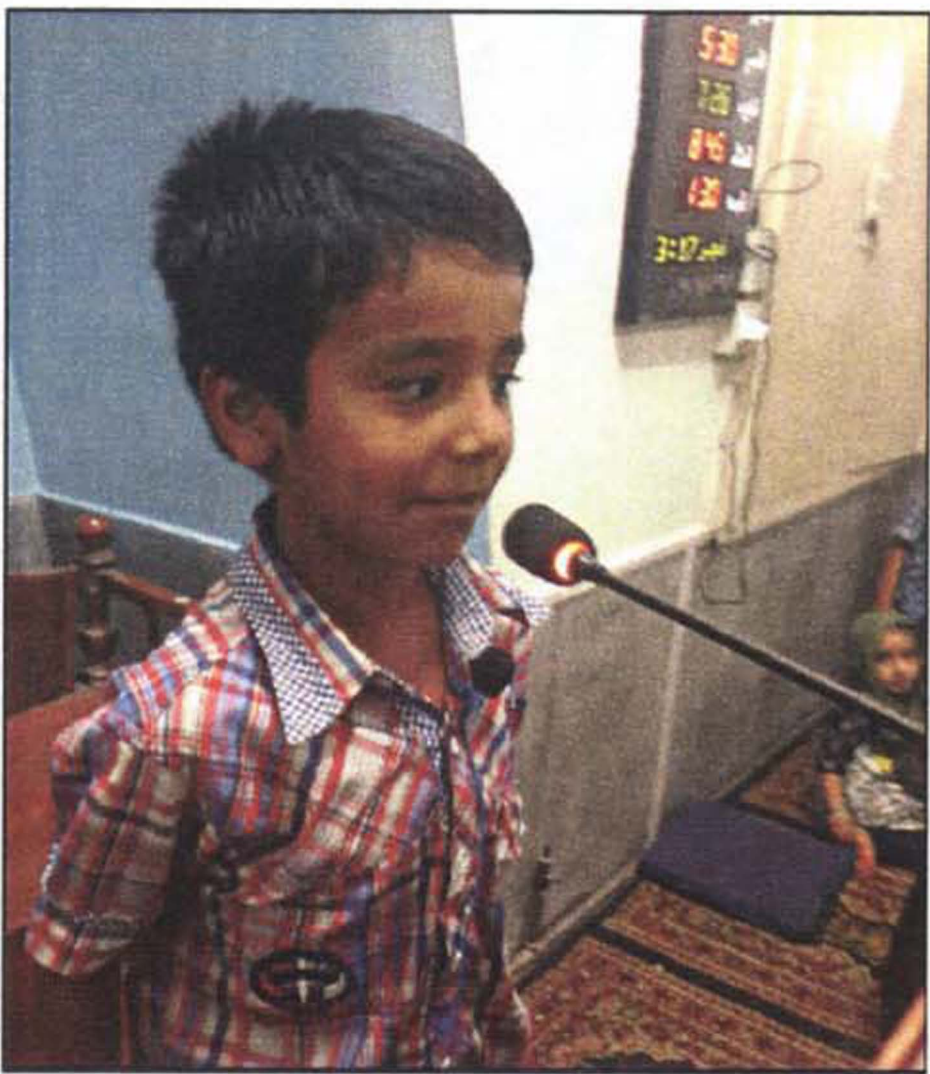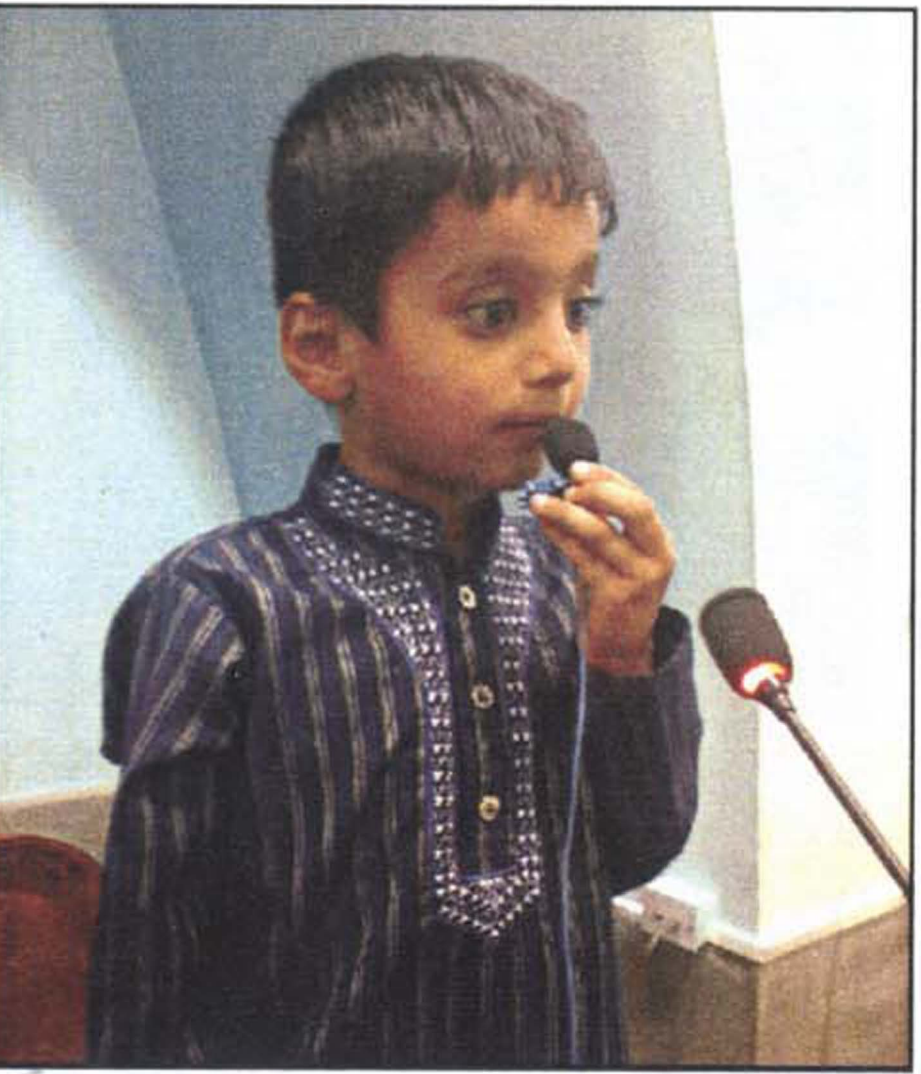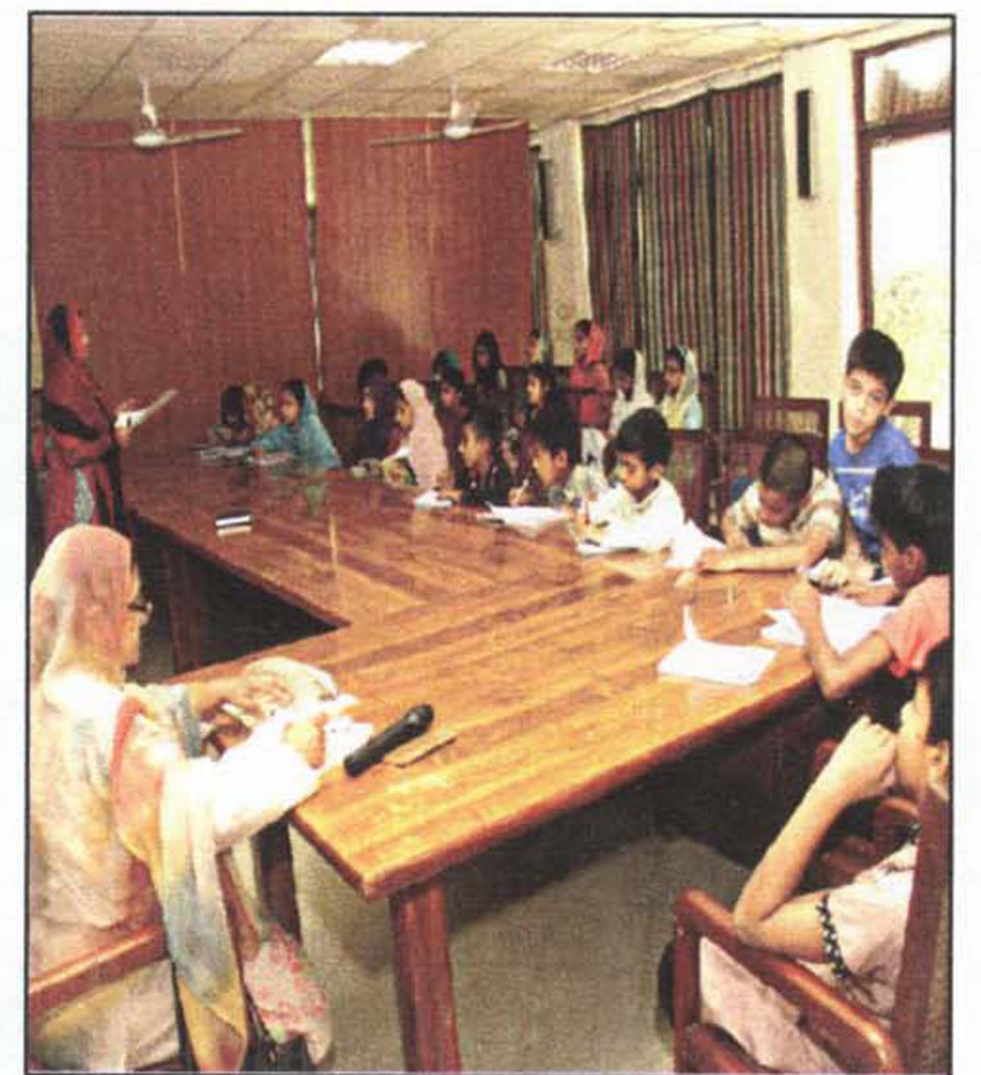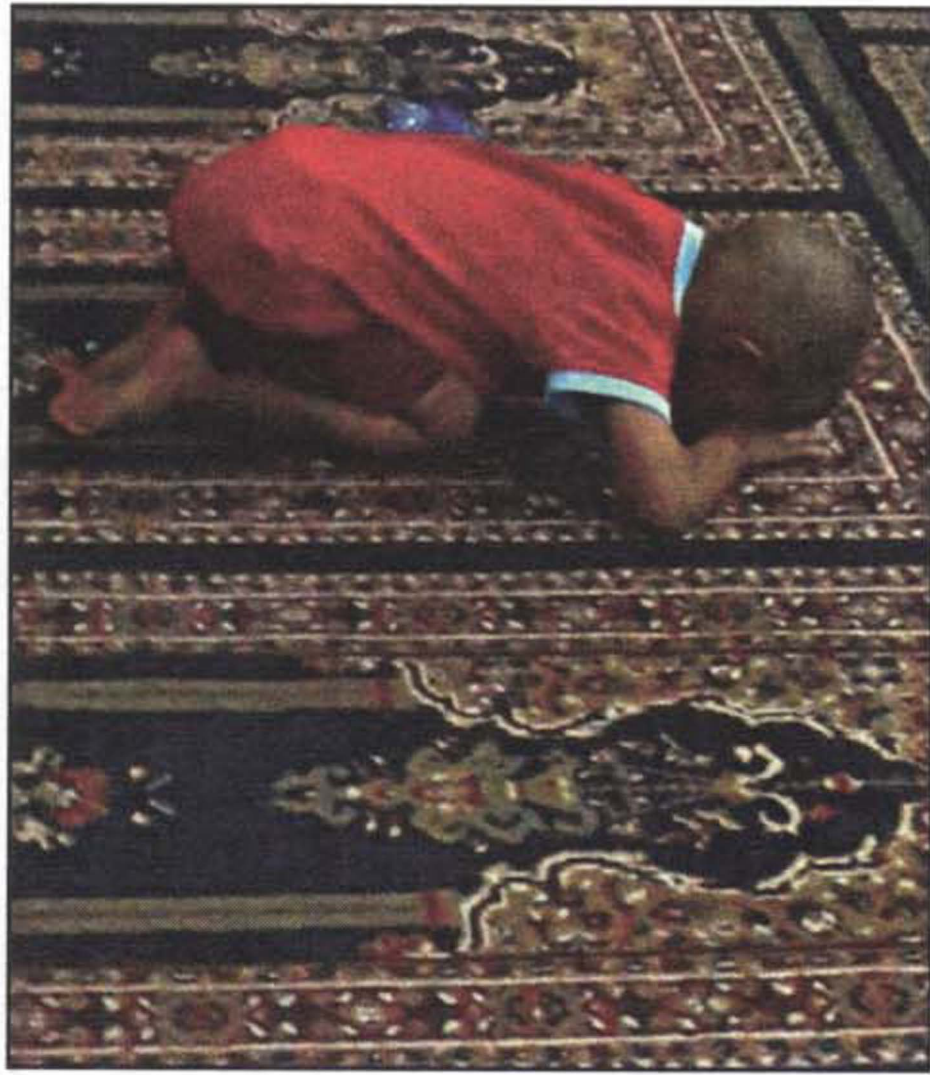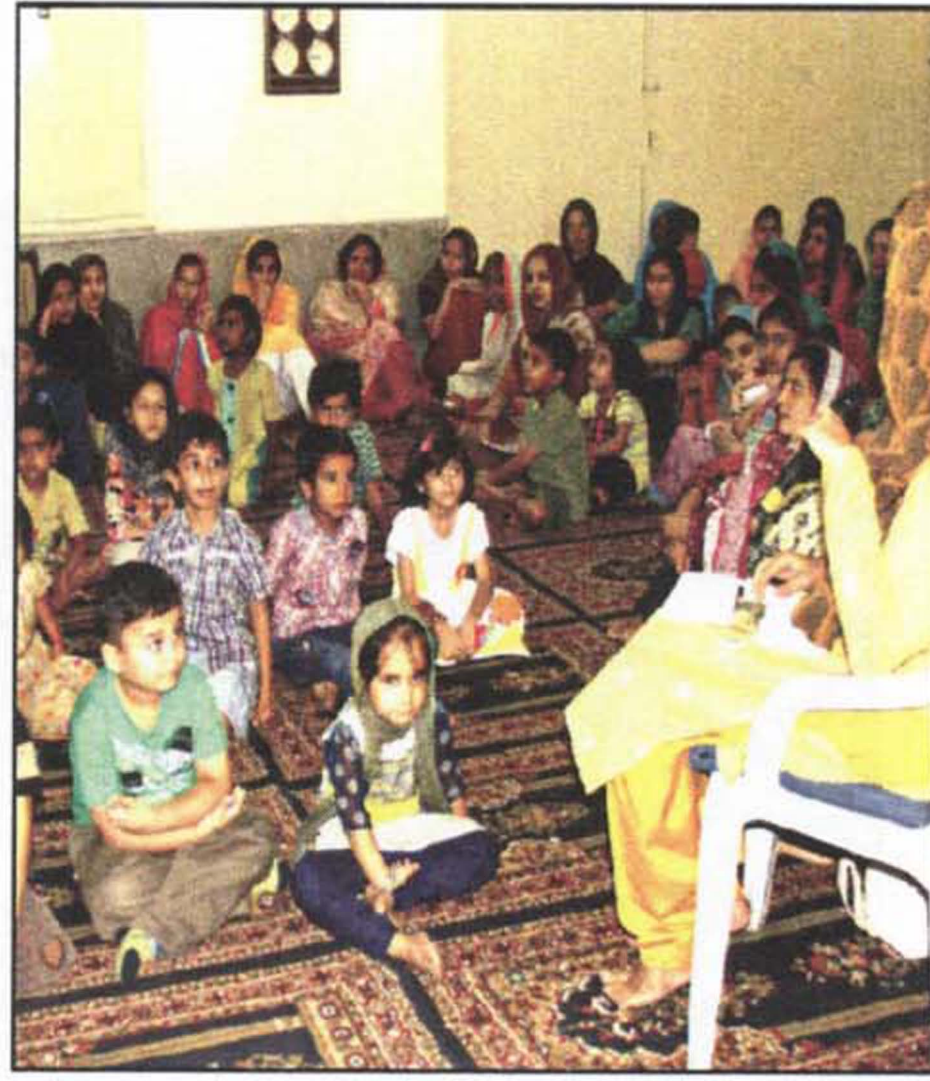
سالانہ تربیتی کورس 2014ء کے دوران اطفال الاحمدیہ کے تقریری مقابلہ جات کے مناظر
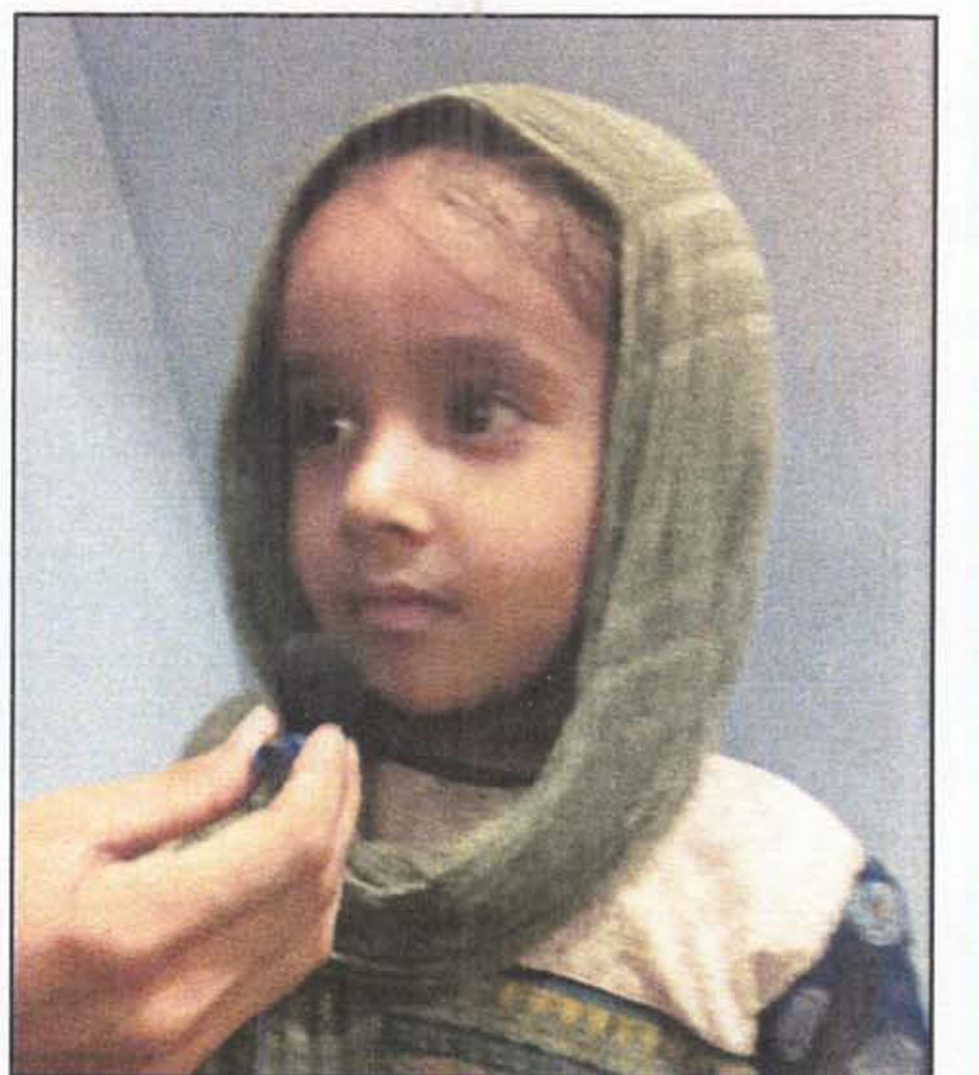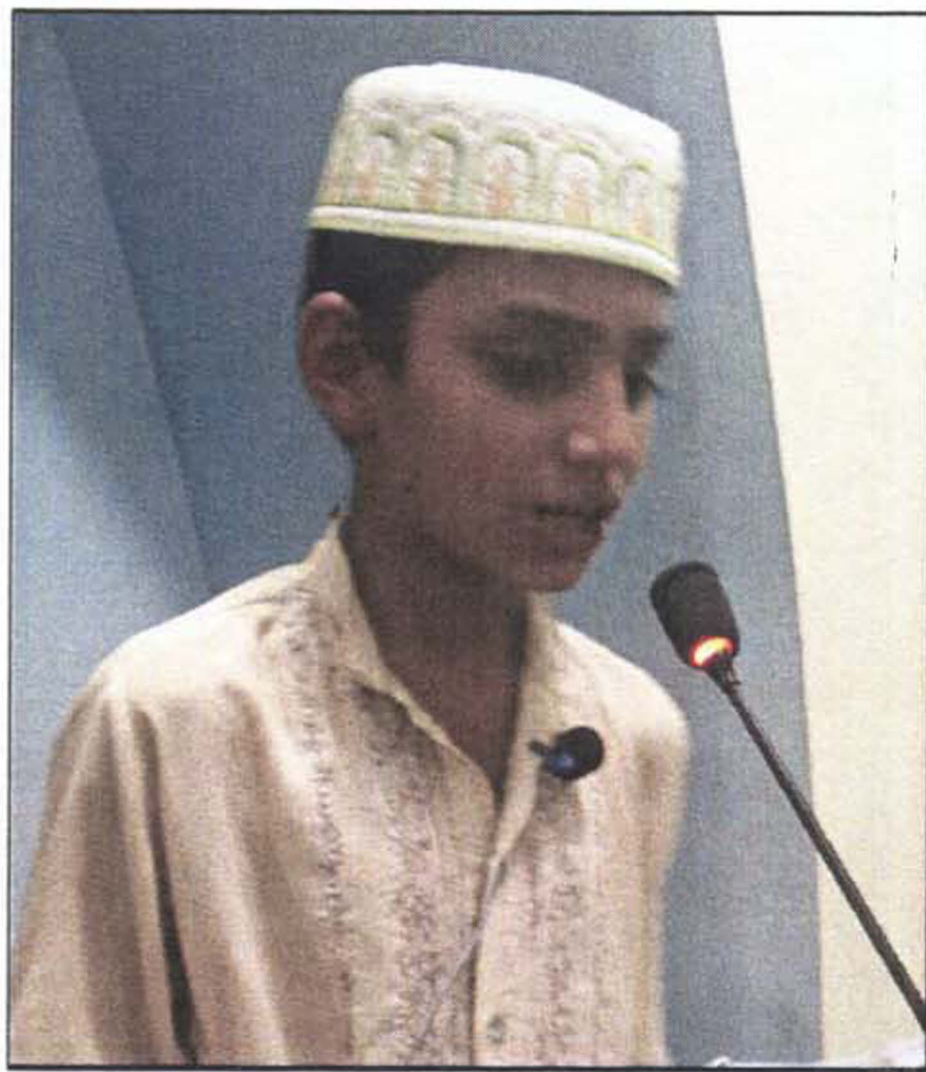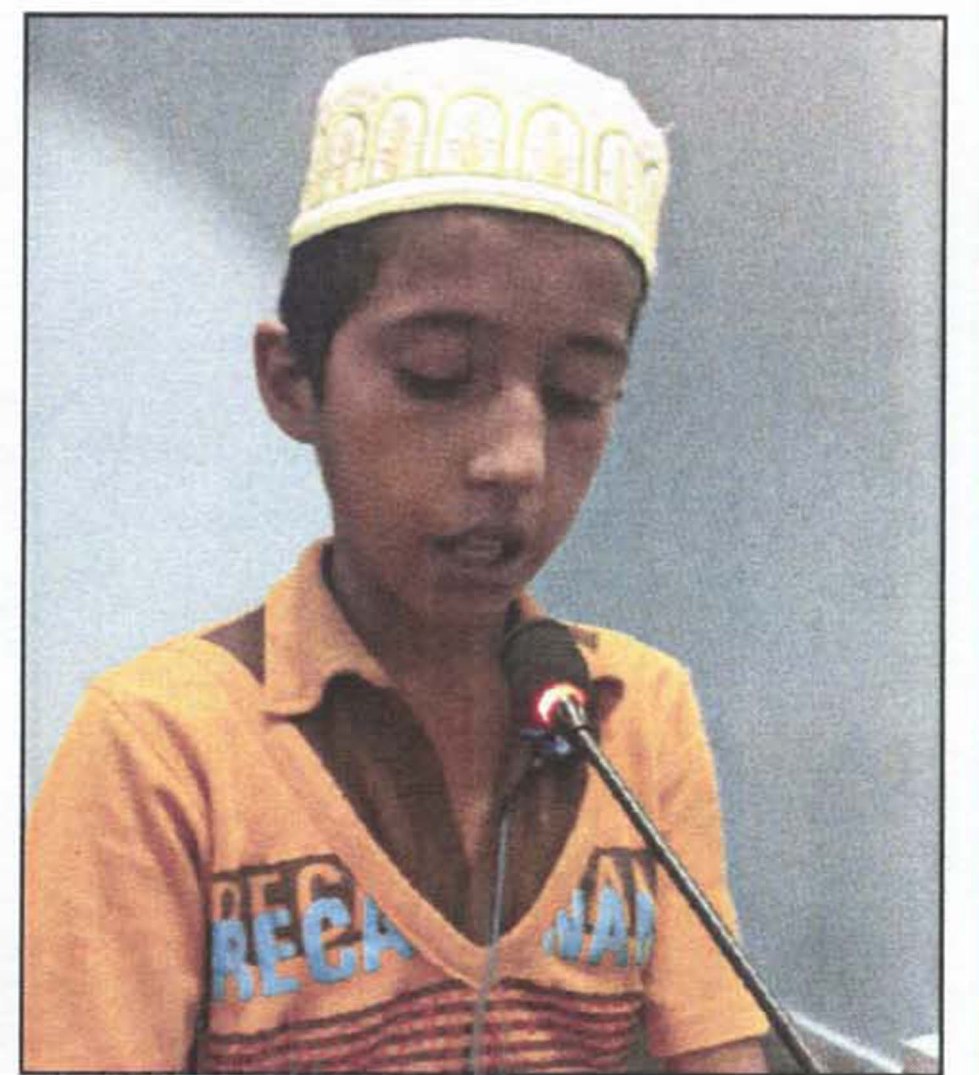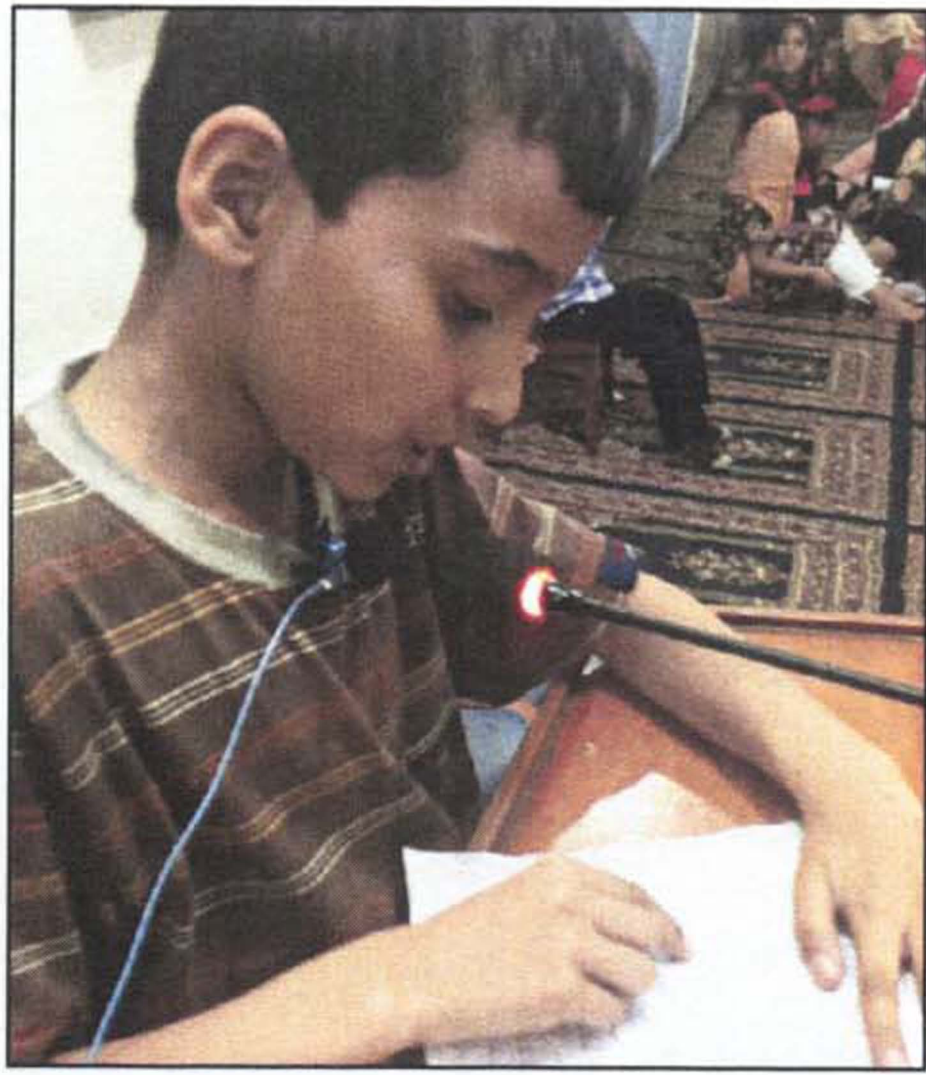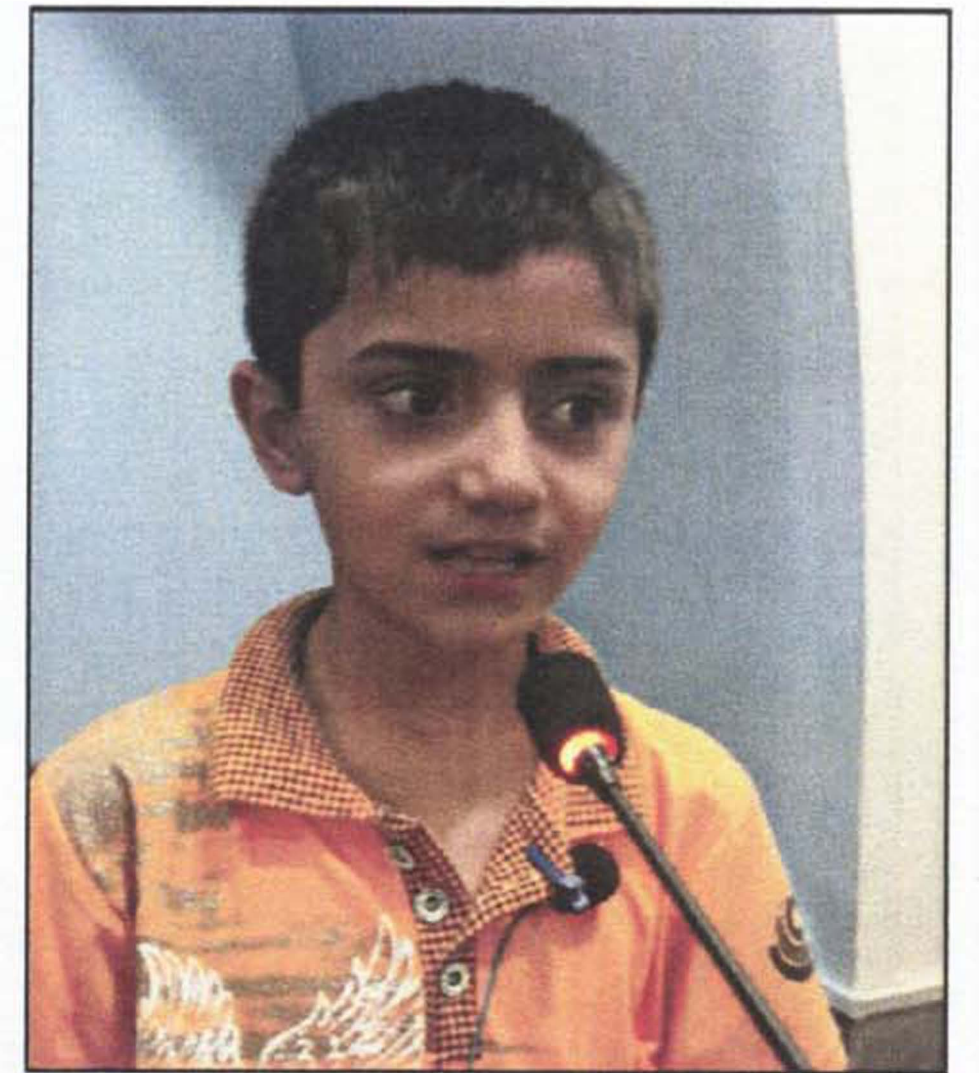
سالانہ تربیتی کورس 2014ء کے شرکاء کی چند جھلکیاں

ایسا ہی ضروری قرار دیا جیسا خود اپنی رسالت و نبوت پر۔ اسلام کا یہ عقیدہ اس قدر مہتم بالشان ہے کہ اس پر نہ صرف اتحاد اقوام اور مذاہب کی بنیاد قائم ہے بلکہ آپ نے دیکھا کہ اس عقیدہ سے اگر ایک لحہ کے لئے بھی روگردانی کر لی جائے تو تمام مذاہب کی عمارت اسی وقت زمین پر آ رہتی ہے کیونکہ اسلام کے نزدیک مذہب ایک عالم گیر حقیقت ہے جو دنیا کی تمام اقوام کے اندر پائی جاتی ہے۔ موجودہ زمانے میں اس عقیدہ اور خیال کے لوگ قریباً قریباً تمام مذاہب میں پیدا ہوگئے ہیں جو اس اعتقاد کی صداقت اور معقولیت کی دلیل ہے لیکن اس اصول کے سب سے پہلے داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضور کی بعثت سے پیشتر کسی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی اور نہ کل انبیاء عالم پر ایمان کے عقیدہ کو کسی اور مذہب نے جزوِ ایمان ٹھہرایا ہے۔

ربّ العالمین کا تصور صرف قرآن شریف نے پیش کیا

''تعریف کا مستحق اللہ تمام جہانوں کا رب ہے'' ''وہ مشرقوں کا بھی رب ہے اور مغربوں کا بھی''۔ نسل انسانی کی ہر امت میں انبیاء کی بعثت کو تسلیم کرنا تو ایک طرف اکثر اور پیشتر مذاہب نے تو اس امر کو بھی کشادہ دلی سے قبول نہیں کیا کہ ان کا خدا دنیا کی دوسری اقوام کا بھی خدا اور معبود ہے۔ برہمنی اور ویدک مذہب صرف آریوں کو ایشور کی اولاد سمجھتا رہا ان کے خیال میں ویدوں کی گئو ماتا صرف برہمن چھتری اور ویش کو ہی دودھ پلاتی اور انہی کی پرورش کرتی تھی اتھروید کانڈ ۱۹ سوکت ۷۱ منتر ا: ''ماتا وید برہمن چھتری اور ویش کی پرورش کرنے والی ہے'' آریہ ایشور کے بیٹے ہیں (نرکت ادھیا ۶ کھنڈ ۲۶) اور بنی اسرائیل کا خداوند یہودہ صرف بنی اسرائیل کا خدا تھا۔ جان ایس سیلنڈ ربی اسے کے کورس ''مختصر تاریخ تہذیب'' میں لکھتے ہیں:

The God whom the Jews worshipped had at first been conceived of as the tribal Deity of a nomadic people....for many centuries the Jews continued to conceive this God of righteousness as their God only....But this idea of their own national God was also the God of all other men was never welcomed and adopted by the mass of the Jewish population"(A Brief History of Civilization, p.72)

اللہ تعالیٰ کی شہادت نصرت الٰہیہ کے رنگ میں

''کہو اللہ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار اور دیکھنے والا ہے'' (بنی اسرائیل:۹۶)

یہاں اللہ کی شہادت سے مراد حق کی نصرت اور باطل کی شکست ہے۔ حق دنیا میں باوجود کثرت مخالفت کے قائم ہوتا چلا جاتا ہے اور باطل اپنی طاقت کے باوجود شکست کھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ خبیر اور بصیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دوسری شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملہ میں کامل نصرت کے رنگ میں ہمیں ملتی ہے۔ وہ سنت خداوندی جو حضرت نوح، ابراہیم، بدھ، کرشن، موسیٰ اور زرتشت وغیرہ انبیاء عالم کے حق میں ظاہر ہوئی۔ وہی سنت اور نصرت بدرجہ اتم آپؐ کے حق میں بھی موجود ہے۔ شدید مخالفت قلّت انصار اور کثرت اعدا کے باوجود غلبہ اور کامیابی اسی نصرت الٰہیہ کا بین ثبوت ہے اور اس بے نظیر کامیابی کا اقرار مخالفین اسلام تک نے بھی کیا ہے۔ فضیلت درحقیقت وہی ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لفظ قرآن کے ماتحت حضور کی نسبت لکھا ہے:

"The most successful of all the prophets and religious personalities"
(Encyclopaedia Britannica, 11th Ed.)

کل انبیاء کا موعود نبی

''اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعہ سے عہد لیا اس لئے کہ ضرور تم کو میں نے کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس

کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تمہیں ضرور ہی اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور ہی اس کی مدد کرنا ہوگا۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں'' (آل عمران:۸۱)

مذکورہ بالا دو شہادتوں کے علاوہ محمد رسول اللہ صلعم کے حق میں اللہ تعالیٰ ایک اور بھی عظیم الشان شہادت ہے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی انبیاء عالم کی وساطت سے ان کی امتوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ جب وہ رسول آئے جو تمہارے انبیاء اور تمہاری کتابوں کا مصدق ہو تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ انبیاء کا یہ عہد ان کی کتب میں بطور پیشگوئیوں کے مذکور ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صداقت کو دنیا میں لائے جس نے مذہب کی ضرورت کو ثابت کرنے کے بعد اس کی بنیاد کو دنیا میں قائم اور راسخ کر دیا۔ مذاہب کی کتب اس وقت جس رنگ میں موجود ہیں۔ وہ نہایت ابتری اور بربادی کی حالت ہے اور وہ ان عظیم الشان کتب کے کھنڈرات اور خرابے میں جو انبیاء کو دی گئی تھیں۔ کسی مذہب کی کوئی کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اپنی اصلی حالت میں موجود نہ تھی اور نہ آج کہیں موجود ہے وہ مذہب کی صداقت کی دلیل تو کیا ہو سکتی ہیں۔ خود ان کے نبی محتاج تصدیق ہیں۔ حضرت زرتشت۔ حضرت ابراہیم جناب کرشن اور جناب مسیح کے متعلق اس قدر شبہات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کی شخصیت کو محض افسانہ سمجھا جانے لگا ہے۔ تاریخی زمانہ سے پہلے کے تمام انبیاء کے متعلق اس قدر اختلافات ان کے نام، وطن اور زمانے کے بارے میں پیدا ہو گئے ہیں کہ خود ان کی ہستی ہی مشکوک ہو گئی ہے۔ حضورؐ نے تمام انبیاء عالم کی تصدیق کر کے ان پر ایک عظیم الشان احسان کیا ہے یعنی وہ کام جو ان انبیاء کے پیرو اور ان کی موجودہ کتب نہ کر سکتی تھیں۔ وہ کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دکھایا اور پھر ان کل انبیاء کی مجموعی شہادت سے مذہب کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا۔ اس دور دہریت اور لامذہبیت میں صداقت مذہب پر یہ ایک ایسی ناقابل تردید شہادت ہے کہ دنیا کی تمام اقوام کے مسلمہ راست باز اس پر متفق اللسان ہیں۔

ہم تمام مذاہب کے انصاف پسند اصحاب کی توجہ اسی رنگ کی ایک نہایت ہی اہم شہادت کی طرف منعطف کراتے ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل انبیاء عالم کی تصدیق کی ہے۔ اور ان پر ایمان لانا ایک مسلم کے لئے فرض ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح کل اقوام عالم کے انبیاء عظام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنی اپنی اُمتوں کو آپؐ پر ایمان لانے کی تاکید کرتے ہیں۔ بانیانِ مذاہب عالم میں سے کوئی نبی نہیں گزرا جس نے اس عظیم الشان آخری نبیؐ کے متعلق بشارت نہیں دی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کا مصدق تھے۔ یہ اصول اقوام عالم میں اتحاد پیدا کرنے اور وحدت نسل انسانی کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔ لیکن انبیاء عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصدق تھے۔ یہ وحدتِ ادیان حقانیت مذہب کی سب سے بڑھ کر مہتم بالشان دلیل ہے۔ ہر ملک اور قوم کے کسی نہ کسی مسلمہ بزرگ نبی نے آپؐ کی آمد کی شہادت دی۔ دنیا مذہب میں جو یاءِ حق کے لئے یہ ایک قابلِ غور نکتہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصدق انبیاء عالم تھے۔ یہ امن عالم کی بنیاد ہے اور انبیاء عالم حضور صلعم کے مصدق تھے۔ یہ دنیائے مذہب کا حصن حصین اور حریم امن ہے اس حرم پاک سے جو شخص باہر رہے گا وہ دہریت اور لامذہبیت کا عنقریب شکار ہوگا۔

☆☆☆☆

قرآنی محکمات و متشابہات

قاری غلام رسول صاحب

قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ وہی ہے جس نے اے رسول صلعم تجھ پر کتاب اُتاری اس میں سے کچھ محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ متشابہ ہیں پھر جن لوگوں کے دلوں پر کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور اس کی من مانی تاویل کرتے ہیں حالانکہ اُن کی تاویل اللہ اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں پختہ ہیں کوئی نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے۔ اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی اور اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بہت ہی عطا کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب ضرور تو لوگوں کو اس دن کے لئے اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کچھ شک نہیں۔ بے شک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا''۔ (آل عمران 7 تا 9)

ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اُتارا ہے یعنی کتاب جس کی باتیں ملتی جلتی ہیں، دہرائی جاتی ہیں اس سے اُن لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے وہ اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرائے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔ (سورۃ الذمر: 23)

امام راغب رحمتہ اللہ علیہ نے محکم اور متشابہ آیات کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ محکم وہ آیت ہے جس کا مفہوم واضح اور ظاہر ہو۔ اس کے لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شُبہ وارد نہ ہو سکتا ہو اور متشابہ وہ ہے کہ جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ سورۃ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں یہ بتایا کہ قرآن کی بعض آیات بالکل واضح اور ظاہر ہیں اور یہ کتاب کی اصل اور بنیاد ہیں اور بعض آیات ایسی ہیں کہ ان میں مجاز اور استعارہ اور تمثیلات و تشبیہات کا استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی تفسیر و تعبیر مشکل ہوتی ہے اور گہرے مطالعہ کا تقاضہ کرتی ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ من مانی تاویلات کرتے ہیں اور متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور سادہ لوح افراد کے سامنے متشابہات کی ایسی تاویلات کرتے ہیں جو محکم آیات کے منافی ہوتی ہے اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں قرآن و اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک او روسوسے پیدا کرتے ہیں اور اپنے دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علامہ سید محمود الوسی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

''جن علماء کے نزدیک متشابہات سے مراد وہ اُمور ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کرلیا ہے وہ بھی اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کا علم بذریعہ وحی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے اور اولیائے کاملین کے قلوب میں القاء فرمایا ہے کیونکہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ رفیع اور آپ کی اُمت کے اولیائے کاملین کے مرتبہ کو پہچانتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا، نفی محیط علم کی ہے اور اس علم کی جو انسان اپنی عقل و فکر سے حاصل کرتا ہے۔ نہ اُس علم کی جو اللہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ الہام عطا فرماتا ہے''۔

(تفسیر ضیاءالقرآن جلد اوّل ص 210)

بہرحال محکمات سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے ان کے سمجھنے میں کسی کو اِشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس متشابہ آیات وہ ہیں جن میں اللہ کی ہستی، قضاو قدر کے مسائل، جنت و دوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماورا عقل حقائق، جن کی حقیقت سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے یا ان میں تاویل کی گنجائش ہے یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو۔ اس لئے فرمایا کہ جن کے دلوں میں کجی

ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اوران کے ذریعہ سے فتنہ پیدا کرتے ہیں۔جیسے عیسائی ہیں،قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کواللہ کا بندہ اور نبی کہا ہے۔یہ واضح اورمحکم بات ہے لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جوُروح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں حالانکہ ہرانسان کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہے۔

حضرت اقدس امام الزماںؑ فرماتے ہیں:

''یادرکھو ہرانسان کلمۃ اللہ ہے کیونکہ اس کے اندر روح ہے جس کا نام قرآن شریف میں امر ربی رکھا گیا ہے لیکن انسان نادانی اور ناواقفی سے روح کی کچھ قدر نہ کرنے کے باعث اس کوانواع واقسام کی سلاسل اور زنجیروں میں مقید کردیتا ہے اوراس کی روشنی اور صفائی کوخطرناک تاریکیوں اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے اندھا اور سیاہ کردیتا ہے اوراُسے ایسا دھندلا بناتا ہے کہ پتہ بھی نہیں لگتا لیکن جب توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اوراپنی ناپاک اور تاریک زندگی کی چادراتاردیتا ہے تو قلب منور ہونے لگتا ہے اور پھر اصل جلاء کی طرف رجوع شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ تقویٰ کے انتہائی درجہ پر پہنچ کر سارا میل کچیل اتر کر پھر وہ کلمۃ اللہ ہی رہ جاتا ہے۔یہ ایک باریک علم اور معرفت کا نکتہ ہے ہر شخص اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا''۔(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد سوم ص108)

آئندہ کی خبروں اور پیشگوئیوں میں بھی ایک حصہ محکمات کا ہوتا ہے اور ایک حصہ متشابہات پر مشتمل ہوتا ہے لیکن نادان لوگ پیشگوئی کے ہرلفظ کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پیشگوئیوں کو سمجھنے میں ٹھوکر کھاتے ہیں کیونکہ اُن کے دل ٹھہرے ہوتے ہیں۔اس طرح یہ لوگ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:

''اگرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں توریت اور انجیل میں ہیں وہ نہایت ظاہر الفاظ میں ہوتیں کہ آنے والا نبی آخرالزماںؐ اسماعیل کی اولاد میں سے ہوگا اور شہر مکہ میں ہوگا تو پھر یہودیوں کوآپؐ کے ماننے سے کوئی انکار نہ ہوتا لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ ان میں کون متقی ہے جو صداقت کواس کے نشانات سے دیکھ کر پہچانتا ہے اوراس پرایمان لاتا ہے''۔

(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد دوم ص7)

بقیہ: **مولانا عبیداللہ سندھیؒ**

''اب دیکھئے اس فرقہ احمدیہ میں لاہوری جماعت نے عقل واستدلال سے کام لیا اور وہ ایک قابل رحم اقلیت بن کر رہ گئی۔خلیفہ محمود احمد صاحب نے غیراستدلالی جذبانیت کی روش اختیار کی۔فرقے کی غالب اکثریت اس کے گرد جمع ہوگئی اوراس کے بے تکے سے بے تکے دعاوی پر سر دھننے لگی۔''

(ایضاً ص415)

''مولوی نورالدین کے دل میں قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے اور دین حق کی نشرواشاعت کا زبردست جذبہ تھا اوران کی یہ آرزو تھی کہ کس طرح وہ اپنے اس جذبے کی تسکین کرسکیں۔(ایضاً ص415)

دارالعلوم دیوبند کے ایک نامور فرزند اوران کے امام انقلاب۔۔دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے شاگرد رشید کے یہ ارشادات جماعت احمدیہ کے معمار اول مولانا حکیم نور الدینؒ کے متعلق ہیں۔احمدیہ تحریک کے مخالفین کو چاہیے کہ ''امام انقلاب'' کے ان فرمودات کو پڑھیں۔اور ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچیں کہ ان کے اکابرین جماعت احمدیہ کے قائدین سے کس درجہ احترام اور عقیدت کا اظہار کرتے تھے اوران کی قرآنی خدمات کے معترف تھے۔ان کی ذاتی شرافت،وسعت اخلاق اور علم دوستی میں رطب اللسان تھے۔یہ حوالے ہم نے جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے نہیں دیئے۔ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور نے اس کتاب کو شائع کیا ہے۔جورائے پور کے سجادہ نشینان کی جماعت ''تنظیم فکرولی اللھی'' کے تنظیمی نصاب میں کتاب شامل ہے۔ اس تنظیم کے بانی مولانا سعید احمد رائے پوری مولانا عبدالقادر رائے پوری (مرشد احرار) کے خلیفہ اوراپنے والد مولانا عبدالعزیز رائے پوری کے جانشین تھے۔ مولانا سعید احمد رائے پوری کے انتقال کے بعد اب ان کے داماد اور خلیفہ مفتی عبد الخالق آزاد مسند رائے پور کے سجادہ نشین اوراس تنظیم کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔

یہ جماعت مولانا عبیداللہ سندھی کے علوم کی وارث سمجھی جاتی ہے جوانہی کے علوم وافکار کی روشنی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فکر کو عام کرنے کی دعویدار ہے۔اس جماعت کے نصاب میں شامل اس کتاب ''افادات وملفوظات'' کی اہمیت وافادیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل

الحاج خواجہ نذیر احمد

''حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل اُس وقت ہوا جب وہ ایک عجیب دشمن سے کُشتی لڑے اور غالب ہوئے۔ یہ واقعہ یبوق کی ندی کے پاس ہوا'' (پیدائش ۳۲:۲۴۔۲۸)۔ یہاں سے حضرت یعقوب علیہ السلام ہاران گئے اور لیاہ، بلہاہ، زلفہ اور راخیل سے شادی کی۔ اُن کے بارہ بیٹے ہوئے اور اُن سے بارہ قبیلے ہوئے۔ تاہم جوشوا کو حکم ہوا کہ لیوی کی اولاد کو ان قبیلوں میں شمار نہ کیا جائے اور اُن کو تمام میراث سے بھی محروم کر دیا (یشوع ۱۴:۳) کیونکہ انہیں کہانت کی خدمت بجالانی تھی (گنتی ۱۸:۷)۔ حضرت یوسف علیہ السلام دو قبیلوں کے سربراہ تھے کہ یہ قبیلے اُن کے دو بیٹوں افرائیم اور منسی کی اولاد تھے۔ یوں اسرائیل کے بارہ قبیلے شمار ہوئے جن کے نام یوں ہیں:

روبن، شمعون، یہوداہ، اشکار، زبلون، دان، افائم (یوسف افرائمی کا بیٹا)، مناسح (یوسف مناسحی کا بیٹا)، بنیامین، نفتالی، جد اور آشر۔

اسرائیل کی اصطلاح حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے لئے تھی اور ایک فرد کی سی نسبت رکھتی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی میں بھی اُن کی اولاد کو اسرائیل ہی کہا گیا (پیدائش ۳۳:۱۸۔۲۰ و ۳۴:۷)۔ اور خواہ وہ بیابان میں رہے یا گھومتے پھرتے رہے اُنہیں اسرائیل ہی کہا گیا۔

(پیدائش ۴۶:۸ و استثنا ۴:۱، خروج ۱:۱)

جوشوا نے ارضِ مقدس کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطور میراث ملی تھی۔ اسرائیل کے بیٹوں میں تقسیم کیا اور فلسطین کا جنوبی حصہ یہوداہ اور بنیامین کے قبیلوں کو دیا گیا۔ باقی کے دس قبیلے فلسطین میں آباد ہوئے۔ ان دس قبیلوں کا فلسطین میں صدر مقام اسار یہ تھا۔ جسے اسرائیل کے ایک بادشاہ اُمری نے بسایا تھا۔ اور یہ شہر اسرائیل کا صدر مقام رہا جب تک کہ وہ قید ہو کر بابل نہیں لے جائے گئے تھے۔ یہ بارہ قبیلے سیاحت گردی کے بعد باہم اکٹھے ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے مل کر اپنا سربراہ بھی منتخب کر لیا تھا۔ یہ سربراہ یا بادشاہ حکمران اور مطلق انسان نہ تھا بلکہ اُس کے لئے وحی الٰہی کی اطاعت ضروری تھی جو نبیوں پر منکشف ہوتی رہی تھی اور اُس کی جماعت کے ۷۲ برگزیدہ افراد کے فیصلوں کی تعمیل ضروری تھی۔ اس جماعت میں ہر قبیلے کے چھ چھ نمائندے لئے جاتے تھے۔ اس جماعت کو کونسل کا نام دیا گیا تھا۔ جو بعد ازاں سنہیڈرین کہلائی۔

حضرت ساؤل یا طالوت بادشاہ پورے اسرائیل کے پہلے حکمران تھے۔ اُن کے مرنے پر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اُن کا بیٹا دو برس کی مختصر حکومت کے بعد قتل کر دیا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام یہوداہ کے حکمران ہوئے اور جنہیں حبرون میں سات برس حکومت کرنے کے بعد سارے اسرائیل کا حکمران اعلیٰ تسلیم کیا گیا (۲۔سموئیل ۵:۳)۔ اُنہوں نے یروشلم کو فتح کیا اور اُسے اپنا صدر مقام بنالیا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ جو مشرق و مغرب میں اپنی دانائی کے لئے مشہور تھے (ا۔سلاطین ۴:۲۹، ۳۰)۔ اُنہوں نے یہوداہ کی پرستش کے لئے ایک بے حد خوبصورت معبد تعمیر کیا (ا۔سلاطین ۶:۱۴ و ۳۸)۔ اپنے لئے ایک عظیم الشان محل بنوایا اور اپنے حرم کے لئے الگ الگ محلات تعمیر کروائے۔ اُن کی حکومت کے دوران تجارت کو بے حد فروغ ہوا اور اُنہوں نے ہندوستان کا برّی، بحری، اور ہوائی سفر بھی کیا۔ (بائبل میں کسی ہوائی سفر کا ذکر نہیں ہے تاہم ایسا سفر روایات میں بیان ہوا ہے)۔ اور سرحدیں اوفر تک پہنچ گئیں جو دریائے سندھ کے دہانے کے نزدیک ہے (ڈمیلو: بائبل پر تبصرہ ص ۲۱۸)۔ اُن کے زمانے میں سونا، چاندی، ہاتھی دانت، صندل کی لکڑی، مور اور تیتر کی اُن کے دربار میں فراوانی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ

السلام نے ایک پہاڑی بھی بنوائی جو معبد کی مشرقی سمت میں تھی اور جس کا رُخ وادیِ قدرون کی جانب تھا۔ اس مصنوعی پہاڑی پر اُنہوں نے اپنے لئے ایک چھوٹی عبادت گاہ تعمیر کروائی جہاں بعدازاں اُن کا بیٹا ابسلوم دفن ہوا۔ یہ مصنوعی پہاڑی سلیمان کے نام سے مشہور ہوئی اور معبد کو رفتہ رفتہ ہیکل سلیمانی کہا گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اُن کا بیٹا ربعام (رہوبام) تخت نشین ہوا۔ لیکن ابھی اُس نے حکومت سنبھالی ہی تھی کہ بغاوت ہوگئی۔ لوگ ٹیکسوں کے بوجھ سے سخت نالاں تھے۔ اس بغاوت کا سرغنہ جیروبعام تھا جو دس قبیلوں کا حکمران ہوا اور اس نئی سلطنت کو اسرائیل کہا گیا۔ تاہم آلِ داؤد بدستور یہوداہ میں حکومت کرتے رہے۔ اس سے یہ ہوا کہ اسرائیل کی اصطلاح کا اطلاق صرف دس قبائل پر ہوتا رہا۔ جبکہ یہوداہ سے مراد صرف یہوداہ اور بنیامین کے دو قبیلے تھے۔ اس ضمن میں یہ بھی قابل ذکر ہے 'یہوداہ' سے ابتدا میں مراد وہ فرد تھا جو یہوداہ کی نسل سے تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹا تھا یا یہوداہ کا رہنے والا تھا۔ بعدازاں یہ اصطلاح وسیع تر ہوئی۔ اور اُن لوگوں کے بارے میں بھی مستعمل ہوئی جو قیدِ بابل سے رہائی کے بعد لوٹے تھے لیکن بعدازاں عبرانی نسل کے ہر فرد کے لئے دنیا بھر میں استعمال ہونے لگا۔ یہوداہ کی سلطنت کے لئے بھی یہی لفظ معروف ہوا۔

اس طرح جو خلیج اسرائیلوں اور یہودیوں کے مابین جیروبعام (یربعام) نے پیدا کی تھی تاکہ اُس کی رعایا یروشلم نہ جاسکے مبادا کہ اُن کی دیرینہ وفاداریاں لوٹ آئیں۔ اس اندیشے کے پیش نظر اس نے دو قربان گاہیں، ایک دان کے مقام پر اور دوسری بیتیل میں بنوائیں تاکہ وہاں سونے کے بچھڑے کی پوجا کی جاسکے۔ اس سے دونوں سلطنتوں میں عداوت پیدا ہوگئی۔ اسرائیل اور یہوداہ کے درمیان جنگ سست روی سے اُس وقت تک جاری رہی جب تک وہ الگ الگ سلطنتیں رہیں۔ (۱۔سلاطین ۱۴: ۳۰، ۲:۱۲۔۱۵)۔ اور دونوں طرف بے یقینی اور عدم اعتماد کی فضا طاری رہی۔ اسرائیل کا حکمران شاہ یہو (Jehu) (۸۸۴ق م) یہوداہ کے شاہ آسالیہ سے برسرپیکار رہا۔ اس دوران شاہ پیکاہ اور سامریہ کے شاہ ریزین کے مابین ایک معاہدہ ہوا اور اس نے یہوداہ پر حملہ کردیا اور بہت سے جنگی قیدی لے گیا مگر اسے ان کو حضرت عودو کی سرزنش پر رہا کرنا پڑا۔ (۲۔تواریخ ۲، ۲۸: ۸۔۱۵)

اسرائیل کے اس اقدام نے یسعیاہ نبی کی اس پیشگوئی کو پورا کیا کہ اسرائیلی تباہ ہوجائیں گے اور سامریہ کی سلطنت بھی اسوریوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہے گی (یسعیاہ ۷: ۴۔۱۵، ۱۷)۔ یہوداہ کے شاہ ایہاز نے اپنے تخت اور زندگی کے بارے میں خوفزدہ ہوکر اسوریوں کو مدد کے لئے بلایا۔ اور تگلت پلاسر نے سامریہ کو ۷۴۰ق م میں فتح کیا اور وہاں کے کچھ رہنے والوں کو اسوریہ لے گیا۔ پیکاہ کو ہلاک کردیا گیا اور ریزن کو بھی قتل کردیا گیا۔ اس واقعے کے بعد دس قبائل کی اسیری شروع ہوئی۔

سامریہ میں جو دس قبائل کا صدر مقام تھا، بعل کی پرستش کو رائج کیا گیا (۱۔سلاطین ۱۶: ۳۰۔۳۲)۔ یوں اسرائیلیوں کی ناانصافیوں کو کئی برس تک رواج دیا گیا۔ ہوشیاہ کے عہد حکومت میں ان ناانصافیوں کی حد ہوگئی۔ پیکاہ کو قتل کردیا گیا اور مصر کے بادشاہ کے ایماء پر اسوریوں کے خلاف بغاوت برپا کی گئی۔ اس پر شاہ سلمنسر چہارم نے ۷۲۲ق م میں حملہ کردیا اور سامریہ کا محاصرہ کرلیا جو تین برس تک جاری رہا۔ محاصرے کی طوالت نے اسوریوں کی فوج کے افسروں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس فوجی بغاوت کے سرغنہ سارگون نے شاہ سلمنسر کو موت کے گھاٹ اُتار کر اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا۔ اس نے محاصرے کو کامیابی کے ساتھ نبھایا اور دس قبائل میں سے جو بچ رہے تھے ان کو قیدی بنا کر لے گیا جو واپس نہ آئے (جوزیفس آثار قدیمہ ۱۵:۲:۲)۔ قیدیوں کو اسوریا، میسوپوٹیمیا اور مادیوں کے شہروں میں بسایا۔ (۲۔سلاطین ۱۷:۶)

سامریہ کے ویران ملک میں آباد کار بسائے گئے جو اسوریا کے پانچ اضلاع سے لائے گئے اور بعدازاں انہی آباد کاروں سے سامریہ کی قوم بنی۔ اس لئے اس سلطنت کے شمال اور جنوب کے یہودیوں نے سامریہ کو ایک ممنوعہ علاقہ قرار دے دیا اور وہاں کے رہنے والوں سے نفرت کرتے رہے۔

سن ۷۱۱ ق م میں یہوداہ کے شاہ حزقیاہ نے سارغون سے نبرد آزمائی کے لئے شاہ بابل سے معاہدہ کیا۔اس پر سارغون غضبناک ہوا اور حملہ کر دیا جس میں وہ یکجا ہونے سے پہلے ہی شکست کھا گئے۔(اس واقعہ کا ذکر نہ تو سلاطین میں ہے اور نہ ہی تواریخ میں ہے لیکن یسعیاہ ۱۰:۵۔۲۴ میں اس کا ذکر موجود ہے اور اسوریا کے کتبوں میں اس کا واضح طور پر ذکر موجود ہے)۔

اسوریا کی سلطنت بتدریج کمزور ہوتی گئی اور اسوریوں کی فوج کے ایک جرنیل نابونصر(Nabonasser) نے بابل میں داخل ہو کر اپنی حکمرانی کا دعویٰ کیا۔اور اس سلطنت کا خودمختار بادشاہ بن گیا۔سن ۶۸۶ ق م میں اسوریوں کی سلطنت کو بابل اور مادیوں کی متحدہ فوجوں نے فتح کیا اور اسے دو حصوں میں بانٹ لیا۔نابونصر کے بعد اُس کا بیٹا نبوکدنضر تخت نشین ہوا جو مشرق ملکوں میں بخت نصر کے نام سے مشہور ہے۔(۲۔سلاطین ۲۴:۱)

یہوداہ کا شاہ یہویقیم اپنی حکومت کے آغاز ہی میں شاہ بابل کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔اس پر نبوکدنضر نے اپنی فوج کے ساتھ جس میں اہلِ بابل اور مادیانی شامل تھے یہویقیم پر حملہ کر دیا جسے بالآخر ہتھیار ڈالنے پڑے اور قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد یہوداہ کے دو قبائل کو بابل لے جایا گیا۔(۲۔سلاطین ۲۴:۱۴ و ۲۔تواریخ ۳۶:۶۔۷)۔گو ان کے اسیروں کا پہلا گروہ بہت زیادہ نہ تھا۔اسیری کے اس مرحلے میں حضرت دانیال نبی علیہ السلام اور اُن کے تین ساتھی بھی قیدی بنائے گئے تھے(دانی ایل ۱:۶)۔یہوداہ سے قیدیوں کی دوسری نفری ۵۹۹ ق م میں یہویقیم کے عہد حکومت میں لے جائی گئی۔اس نفری کی تعداد بہت زیادہ تھی (۲۔سلاطین ۲۴:۱۲۔۱۶)۔اس کے بعد سارے اہلِ یہوداہ کو گرفتار کر کے لے جایا گیا۔زدقیاہ نے جسے نبوکدنضر نے اس کے باپ یہویقیم کی جگہ بادشاہ بنایا تھا اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔اس نے یہ فیصلہ اپنی حکومت کے نویں برس میں کیا۔اس پر نبوکدنضر نے ایک بار پھر یروشلم کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔یہ واقعہ ۵۸۸ ق م کا ہے۔ہیکل اور شرفا کے محلات کو آگ لگا دی گئی۔فصیل شہر کو گرا دیا گیا اور ہیکل کے خزانے کو لوٹ لیا گیا۔اور شہر کے سارے باشندوں کو قیدی بنا کر بابل لے جایا گیا۔(۲۔سلاطین ۲۵:۹۔۱۲)

نبوکدنضر کا ان قیدیوں کے ساتھ سلوک بے حد ظالمانہ تھا۔خواہ ان قیدیوں کا تعلق یہوداہ سے یا اسرائیل سے تھا۔اور جو اسوریوں کی شکست کے بعد قیدی ہوئے تھے۔وہ قیدی اس سے نفرت کرتے تھے۔یہاں تک کہ وہ ہر ظالم شخص یا حاکم کو اسی کے نام (نبوکدنضر) سے بلاتے تھے۔

یہاں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک دوسرا باب شروع ہوتا ہے۔خورس نے جس کے بارے میں یسعیاہ نبی نے پیشگوئی کی تھی (۴۴:۲۸ و ۴۵:۱۔۱۴)، ۵۳۹ ق م میں بابل کو فتح کیا اور بابل کی تمام سلطنت کو اپنے زیر کیا۔اور اپنے ایک فرمان میں اہلِ بابل کے بارے میں کہا کہ میں نے اُن کے قیدی رہا کر دیئے ہیں۔یہ فرمان ۵۳۶ ق م میں نافذ ہوا۔قیدیوں سے مراد وہ اسیر تھے جن کو یروشلم سے گرفتار کیا گیا تھا۔کیونکہ عزرا بتاتا ہے:

''خداوند نے شاہ فارس، خورس کا دل اُبھارا''(عزرا،۱:۱)

اور اس بادشاہ نے یہودیوں کو رہا کر دیا کہ وہ یروشلم خداوند کا گھر تعمیر کریں جو یہوداہ کے ملک میں ہے(عزرا،۱:۲ و ۵:۱۳)۔اس اعلان کے ساتھ ہی خورس نے خداوند کے گھر سے بابل والوں کے لوٹے ہوئے مال واسباب کو بھی دے دیا(عزرا ۵:۱۴)۔عزرا اُن گھرانوں کی تفصیل کا ذکر بھی کرتا ہے جو اس وقت زربابل کے ساتھ یروشلم واپس آئے (عزرا ۲:۲۔۵۷ و ۸:۲۔۱۴)۔اُن گھرانوں کے ناموں سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق یہوداہ اور بنیادمین کے قبیلوں سے تھا۔

تاہم خورس کے اس فرمان کے باوجود سارے یہودیوں کو واپس جانے کی اجازت نہ دی گئی تھی (عزرا،۴:۷۔۲۴)۔مبادا کہ اُن کے چلے جانے سے اُس کے مقبوضات ویران اور بے آباد ہو جائیں (ایدرشیم: مسیح کی زندگی اور زمانہ ص ۱۳)۔یہ امر واضح ہوتا ہے جب یہودیوں کی ایک دوسری واپسی لازمی ہوئی جس کی سربراہی خود عزرا نے کی تھی۔تاہم واپسی کا یہ اقدام بھی چند گھرانوں کے بارے میں تھا۔

یہودیوں کی رہائی کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ فارس کی سلطنت کے زیرنگین نہ رہے تھے اور خودمختار ہوگئے تھے۔ کیونکہ یہودیہ بدستور فارس کا حصہ رہا اور یہودیہ کا حاکم جو یہودی ہوا کرتا تھا۔شاہ فارس کا نامزد ہوا کرتا تھا۔

دارا گشتاشپ جو ہندوستانی اور ژند ادبیات کا معروف نام ہے اور جسے بادشاہوں کا بادشاہ کہا گیا ہے۔اس ضمن میں دوسرا اہم نام ہے۔اس کے زمانے میں فارس کی سلطنت یونان سے مغربی ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔اور شمال میں باختریہ (افغانستان) تک تھی۔بادشاہ خود لکھتا ہے:

''جب میں بابل میں تھا تو ان صوبوں نے بغاوت کی۔جن میں فارس، سوسیانیہ، مادیا، اسوریا، آرمینیا، پارتھیا، مارجیانہ، ستاگیدیا اور ساکیانہ شامل تھے''۔(پروفیسر سی اوئی ہیروڈوٹس۔ص۳۸۹)

دارا گشتاشپ نے ہندوستان پر بھی ایک بڑی فوج کے ساتھ حملہ کیا۔اس حملے کی تفصیل کو ہیروڈوٹس کی تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔علاوہ ازیں داغستان میں بھی اس امر کے کتبے پائے جاتے ہیں۔

فارس کی سلطنت کو باقتریوں، سِتھین قبائل اور پارتھیا کی یلغار نے پارہ پارہ کر دیا۔اہلِ پارتھیا کی سلطنت ہندوستان میں دریائے جہلم سے قریباً مغرب میں پندرہ سو میل تک کم و بیش عریض صورت میں ایک سو سے چار سو میل میں پھیلی ہوئی تھی۔دمیطریئس جو یوتھا ڈینوس کا بیٹا تھا نے افغانستان کا بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا تھا۔اور شمالی ہندوستان بھی اس کے مقبوضات میں شامل تھا۔وہ شاہ اہلِ ہند کے لقب سے مشہور تھا۔

اس قدیم تاریخ کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ بتایا جائے کہ اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل کیسے مختلف ملکوں کی رعایا بنے۔دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ کیسے ان کے قیدی بنے۔اُن کی نقل و حرکت کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس سوال کا خاطر خواہ جواب بھی ممکن ہو کہ کیا یہ قبائل اپنے 'وطن' کو کبھی لوٹے بھی تھے کہ نہیں؟

ان دس قبائل کی وطن واپسی کا ذکر پرانے عہد نامے میں مرقوم نہیں ہے۔ اس کے برعکس بتایا گیا ہے:

''سو اسرائیل اپنے ملک سے اسور کو پہنچایا گیا جہاں وہ آج تک ہیں''

(۲ سلاطین ۱۷:۲۳)

زکریا نبی علیہ السلام نے شاہ دارا کی حکومت کے چوتھے برس میں اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خداوند نے اُن کو سب قوموں میں جن سے وہ ناواقف ہیں پراگندہ کیا اور کسی نے اپنے ملک میں آمد و رفت نہ کی (زکریاہ ۷:۱۴) اس کے بعد پرانے عہد نامے اور مغربی تاریخ دانوں نے گمشدہ قبائل کا کوئی ذکر نہیں کیا اور یوں اُن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔سر ٹامس ہولڈچ اپنی تصنیف 'دی گیٹس آف انڈیا' میں لکھتا ہے:

''اسور کی سلطنت کی مکمل فتح کے بعد ہمیں دس قبائل کا کوئی سراغ نہیں ملتا، جو ایک صدی کے دوران میسو پوٹیمیا اور آرمینیا کے لوگوں میں خلط ملط ہو گئے۔تاریخ اُن کے بارے میں خاموش ہے''۔(ص۴۹)

مغربی مصنفین کی قیاس آرائیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دس قبائل کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔اور وہ اس ضمن میں کسی معقول نتیجے پر نہیں پہنچتے۔تاہم نئے عہد نامے میں بارہ قبائل کی جانب اشارہ بتاتا ہے کہ دس قبائل میں سے ضرور چند ایک یروشلم کو زروبابل کے ساتھ واپس لوٹے تھے۔لیکن ایسا اشارہ درست نہیں نظر آتا۔کیونکہ ان کی واپسی ناممکنات میں سے تھی۔حزقیاہ نے تمام اسرائیل کو اور یہوداہ کو خطوط بھیجے تھے اور افرائیم اور منسی کو بھی خط بھیجے کہ وہ خداوند کے گھر میں یروشلم کو خداوند اسرائیل کے خدا کے لئے عیدِ فسح کرنے کو آئیں (۲ تواریخ ۳۰:۱)۔یہ خطوط یہوداہ اور اسرائیل کو بھیجے گئے تھے اور کوئی بھی خط اسوریا بھیجا نہیں گیا تھا۔یا اُن کو جو شاہ اسور کے ہاتھ سے بچ نکلے تھے (۲۔تواریخ ۳۰:۲)۔یہ خطوط یہوداہ اور اسرائیل کے اُن باشندوں کے لئے تھے جو ان سلطنتوں میں بچ نکلے تھے اور جن کو تگلت نے چھوڑ دیا تھا اور اُن کو اسوریہ نہیں لے گیا تھا۔کوئی خط دس قبائل کے لئے نہ تھا۔جو قید میں تھے۔نئے عہد نامے کا اشارہ اس سلسلے میں بارہ قبائل کے اُن افراد کے نام

تھا جو بچ رہے تھے۔ اور جن کو اسیران میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم پرانی کتابوں میں یہ ذکر مرقوم ہے کہ دس قبائل اپنی قید کے بعد واپس نہیں آئے تھے۔ اس سلسلے میں ۲۔سلاطین میں سے اور زکریاہ کے بیان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔اس ضمن میں اسدراس کا بیان بھی غور طلب ہے ۔ اسدراس کی پہلی اور دوسری کتاب کو کلیسا نے الہامی تسلیم کیا تھا۔کونسل آف ٹرینٹ (۱۵۴۶عیسوی) تک اس کی یہی حیثیت رہی تھی۔مگر اس کونسل کے بعد اسے 'غیر الہامی' گردانا گیا اور اسے الہامی کتابوں کی فہرست میں سے خارج کیا گیا۔

اسدراس نے کتاب ۲ میں لکھا ہے:

''اور جیسا کہ تم نے دیکھا کہ اس نے ایک دوسرا پُرعزم ہجوم اکٹھا کیا۔اس ہجوم میں دس قبائل تھے جن کو اُن کے ملک سے قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔ یہ زمانہ ہوسیاہ کی حکومت کا تھا۔اور جن کو اسوریہ کے بادشاہ سلمنسر کے حکم کے تحت قیدی بنا کر لایا گیا تھا۔اُن کو دریاؤں کے پار اُتارا گیا اور وہ ایک دوسرے ملک میں پہنچے۔لیکن اُنہوں نے آپس میں مشاورت کی کہ وہ کافروں کی سرزمین سے نکل کر کسی دُور دَراز کے ملک کو چلے جائیں گے۔۔۔اور وہاں اُن مجسموں کو بلند کریں گے جن کو وہ اپنے ملک میں نہیں کر پائے تھے۔اور وہ دریائے فرات میں اُتر گئے جبکہ وہ پایاب تھا۔اور خداوند نے اُن کو راستہ دکھایا اور سیلاب کو روکے رکھا یہاں تک کہ وہ دریا کی دوسری جانب اُتر گئے۔دریا کے پار اُن کو ایک آدھ برس میں کہیں اور جانے کے لئے کھلا راستہ میسر آیا۔اس جگہ کو عرصارث کہا جاتا ہے''۔(باب ۱۳: ۳۶۔۳۹)

ہر چند کہ یہ اقتباس غیر مصدقہ ہے تاہم اس کے مندرجات کو یہودی عام طور پر مانتے تھے۔ یہ اقتباس تاریخی شہادت فراہم کرتا ہے کہ دس قبائل واپس اپنے ملک میں نہیں آئے تھے۔ بلکہ اسیری کی سرزمین سے نکل کر وہ بہت دور مشرق میں چلے آئے تھے اور عرصارث کے مقام پر آباد ہوئے تھے۔''طبقات ناصری'' میں لکھا ہے کہ شانسابی خاندان کی حکومت کے دوران یہاں ایک قوم رہتی تھی جو بنی اسرائیل کہلاتی تھی، جو عصارث کے علاقے میں آباد تھی اور تجارت پیشہ تھی (ص ۱۷۹)۔ ٹامس لیڈلی اپنی تصنیف ''مزید مقالے'' میں افغانوں کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ عصارث کا علاقہ وہی تھا جہاں اب صوبہ سرحد کا ضلع ہزارہ واقع ہے۔ جہاں کشمیر اس سے ملحق ہے مگر سوات میں عصریت کی قدیم سرحد دریائے سندھ کے دوسرے کنارے تک تھی اور چیلاس سے ہوتے ہوئے کشمیر تک جاتی تھی'' (کلکتہ ریویو جنوری ۱۸۹۸)

جوزیفس ویسپاسین کے دور حکومت میں شاہ اگریپا کی ایک تقریر کا ذکر کرتا ہے جس میں یہودیوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ رومیوں کے تابع ہو جائیں اور ان کو طنز آمیز لہجہ میں کہتا ہے:

''کیا تم اپنی امیدوں کو دریائے فرات کے پار باندھتے ہو؟ اور سمجھتے ہو کہ تمہارے برادر قبائل تمہاری مدد کو آدیابنی سے آئیں گے؟ تاہم اگر وہ ایسا قصد بھی کریں فارس اُن کو ایسی کوئی اجازت نہیں دے گا''۔

(قدیم تاریخ ۱۱: ۵: ۲)

اس تقریر سے جو یہودیوں کو کی گئی تھی اور خود یہودیوں کے بادشاہ نے کی تھی کہ اس وقت تک دس قبائل ابھی قیدی تھے اور دریائے فرات کے پار فارس کے زیر حراست تھے۔

جوزیفس (پہلی صدی عیسوی کا آخری عشرہ) خود بتاتا ہے کہ اس وقت تک دس قبائل دریائے فرات کے پار تھے۔اور اس قدر کثرت میں تھے کہ ان کی تعداد کا اندازہ کرنا مشکل تھا (ایضاً ۱۵: ۲: ۲)۔ یہ قبائل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک بھی واپس نہیں آئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ''گمشدہ'' کہا (متی ۱۸: ۱۱) اور ان کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں کہا (متی ۱۵: ۲۴) اور یہ اشارہ بھی کیا کہ وہ ''خداوند کے بیٹے جن کو غیر ملکوں میں پراگندہ کیا گیا'' (یوحنا ۱۱: ۵۲)۔انہوں نے دعویٰ کیا کہ اُس کا مقصد گمشدہ (قبائل) کا سراغ لگانا اور ان کو بچانے کا تھا (لوقا ۱۹: ۱۰)۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی جیمس نے اپنا خط دس قبائل کے نام لکھا جو دوسرے ملکوں میں پراگندہ تھے۔اس نے بارہ قبائل کو مخاطب کیا تھا کیونکہ یہوداہ اور بنیامین کی

اولادیں یروشلم کو واپس نہیں آئی تھیں۔

تاہم یہ درست ہے کہ ایک قسمیہ بیان پر کہ وہ واپس آ جائیں گے بعض قبائل میں سے صرف چند ایک کو جانے کی اجازت مل جاتی تھی کہ وہ ایک میعاد کے اندر یروشلم کی زیارت کو جاسکتے ہیں۔ ایسا عموماً عیدین کے موقع پر ہوا کرتا تھا (زکریاہ ۷:۲،۳)۔ اور زیارت کے ایام میں وہ ان ملکوں کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے جہاں سے وہ آتے تھے۔ پطرس نے ایک وعظ میں جو عید پنتیکست پر دیا گیا تھا انہیں زائرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے:

''ہم پارتھی، مادی اور عیلامی اور مسوپتامیہ اور یہودیہ اور کپدکیہ وار پنطس اور آسیہ کے رہنے والے ہیں۔۔۔۔ سب رہنے والو! یہ جان لو اور کان لگا کر میری باتیں سنو۔'' (اعمال ۲:۹۔۱۴)

اس بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ دس قبائل ابھی تک اپنے ملک کو واپس نہیں آئے تھے۔ سماریہ کے لوگوں کو پطرس نے اپنے وعظ میں مخاطب نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ بارہ قبائل کو خطاب کر رہا تھا۔

سینٹ جیروم جو پانچویں صدی عیسوی میں ہوا ہے اس نے کتاب ہوسیع کی تفسیر کرتے ہوئے اسرائیل کی پراگندگی کے بارے میں لکھا ہے:

''اس وقت تک دس قبائل فارس کے بادشاہوں کی رعایا ہیں اور ان کی حراست بھی ختم نہیں ہوتی ہے''۔

ایک دوسری جگہ اس کا کہنا ہے:

''دس قبائل ابھی تک مادیہ کے پہاڑوں اور شہروں میں آباد ہیں''

ڈاکٹر ایلفر ڈ ایڈرسہائیم اپنی کتاب ''یسوع کی زندگی اور زمانہ'' میں دس قبائل کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مشرقی ملکوں میں پراگندگی کے باعث یہودیوں کی صرف ایک اقلیت جس کی تعداد پچاس ہزار تھی بابل سے واپس آئی۔ سب سے پہلے زروبابل کے ساتھ اور پھر عزرا کے زمانے میں (بالترتیب ۵۳۷ ق م، ۴۵۹ ق م)۔ ان کا کم ہونا صرف ان کی تعداد کے باعث نہ تھا۔ دولتمند اور بارسوخ یہودی وہیں رہے۔ جوزیفس جس کے ساتھ فیلو متفق ہے۔ اس بات پر اتفاق کرتا ہے کہ دریائے فرات کے پار ممالک میں ان کی تعداد لاکھوں کو پہنچتی ہے۔ ان دس قبائل کی افرادی تعداد یسوع کے زمانے میں بھی اور ہمارے اپنے زمانے میں بھی عبرانی قوم کا حصہ نہیں بنی''۔ (عیسیٰ مسیح کی زندگی اور زمانہ، ص ۸)

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ قید بابل کے بعد دس قبائل اپنے ملک واپس نہیں آئے تھے۔ اور اس میں شک وشبے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ کیا کسی نے ایسے قبیلے کے بارے میں سنا ہے کہ وہ حراست کے دوران دوسری قوموں اور ملکوں کو اپنے طور پر مسخر کرنے نکلا ہو؟ اور کیا کبھی ایسے کسی قبیلے نے جو قید اور حراست میں ہو کر اپنے آپ کو بغاوت کے ذریعے آزاد کر لیا ہو؟ اور کیا کبھی ان کے سرداروں نے اُن کو اسیری سے رہائی دلائی ہے؟ حزقی ایل نے اُن کے بارے میں بلاشبہ یہ پیشگوئی کی کہ اُن کو اسیری سے رہائی مل جائے گی۔ لیکن رہائی کے بعد وہ اپنے ملک اسرائیل کو واپس نہ جائیں گے اور خداوند کی رضا کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

''میں اُن کو اس ملک سے جس میں انہوں نے بود و باش کی نکال لاؤں گا پر وہ اسرائیل کے ملک میں داخل نہ ہوں گے''۔ (حزقی ایل ۲۰:۳۸)

لیکن دس قبائل کو کہاں لے جایا گیا؟ اس کا جواب دینے کے لئے تاریخ کے اوراق کو الٹنا پڑے گا۔ پرانے عہدنامے سے پتہ چلتا ہے کہ تگلت پلاسر نے اُن کو خلخ خابور، ہارا اور جوزان کی ندی تک لایا (۱۔تواریخ ۵:۲۶)۔ سارغون نے بھی وہی کہا۔ لیارڈ اور رولنس کی تحقیق کے مطابق خلخ، خابور کے بالائی علاقے میں تھا اور حابور کردستان میں ایک دریا تھا جو گزر کر دریائے فرات میں گرتا تھا۔ تاہم حزقی ایل نے جو خود قیدی تھا کبار دریا کا ذکر کیا ہے (حزقی ایل ۱:۱) لیکن اگر کبار ایک دریا تھا تو اسے ایک دوسرے دریا جوزان کی نسبت سے یاد کرنا درست نظر نہیں آتا۔ ربی عبا جو کوہنا کا بیٹا تھا کہتا ہے کہ خلخ سے مراد ہلزن اور حابور سے ملک ادیابنی مراد ہے جس کا ذکر شاہ اگریپا نے کیا تھا۔ جارج مور

ایک دوسری روایت کا ذکر کرتا ہے کہ دس قبائل ایک دریا کے پار ہوئے جو کش کی سرزمین میں بہتا ہے۔(دس گم شدہ قبائل،ص ص ۱۴۸-۱۵۰)

اسرائیل کے دس قبیلوں کا مشرق کی طرف سفر اس زمانے کی بڑی بڑی سلطنتوں کے نشیب وفراز کے ساتھ منسلک ہے۔ جو اس زمانے میں مشرقی دنیا میں حکمران تھیں۔ اور ان کے مابین جنگیں بھی جاری تھیں۔ اس زمانے میں ان جنگوں کا مقصد آبادی کے لئے افرادی قوت کا حاصل کرنا تھا تا کہ ان سے مشقت لی جائے اور اس طرح تہذیب وتمدن اور تجارت کے نئے مراکز قائم ہوسکیں۔ قدیم زمانے سے دستور رہا ہے کہ جو قیدی جنگوں میں ہاتھ آئیں ان کو کسی دوسرے پیشے میں آبادکاری کے لئے بروئے کار لایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں دنیا کی آبادی بھی کم تھی۔ اس لئے ایسا طریق کار قدرتی بھی اور کارگر بھی تھا۔ اس طرح جو افرادی قوت حاصل ہوتی ان سے ملکوں کی ترقی کا کام لیا جاتا۔ ان سے فصیلیں بنوائی جاتی تھیں۔ شہر آباد کئے جاتے۔ نہریں کھدوائی جاتیں۔ اور ان کی محنت سے بڑے بڑے محلات اور یادگار عمارتیں تعمیر کروائی جاتیں۔ ہندوستان، بابل اور قدیم اسوریہ کے عظیم آثار انہیں کی مشقت اور محنت کا نتیجہ ہیں۔ انسانی محنت کے بغیر یہ یادگار عمارات تعمیر نہ ہوسکتی تھیں۔ یہ صرف فاتح بادشاہوں کے ذریعے ممکن ہوا تھا۔ جو کئی قوموں کو قیدی بنا کر ایسی شاندار عمارات تعمیر کر پائے تھے۔ جن کو سیاح دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے ہیں۔

اس اعتبار سے مغربی ایشیا کے لوگ، اسرائیلی یہودی، فونیقی، اسوری، بابل کے رہنے والے اور ایرانی و یونانی ایک مقام سے دور دراز کے ملکوں میں پہنچائے گئے اور اس طرح انسانی نسل کو نقل وحرکت دی گئی جس نے ان ملکوں کی نسلی تاریخ کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔

برطانیہ کے لوگوں کی آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکہ میں آبادکاری، فرانسیسیوں کی آبادکاری کینیڈا میں، برازیل میں پرتگالیوں کی، ارجنٹینیا اور چلی میں اہلِ سپین اور اطالویوں کی آبادکاری عہد حاضر میں انسانیت کے پھیلاؤ کے بڑے واقعات ہیں۔ ایسی آبادکاری ایک مستقل کیفیت ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ مرضی کے مطابق نقل مکانی کی گئی تھی۔ لیکن ماضی کی نقل مکانی مجبوری کے تحت تھی اور بڑے پیمانے پر تھی اور لوگوں کو ان مقامات تک پہنچایا گیا تھا جہاں کسی نے ان کو آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ بعض اوقات ان کا مسکن وہاں ہوتا جہاں کسی نے ان کو آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ بعض اوقات ان کا مسکن وہاں ہوتا جہاں پہلے سے رہنے والوں کو یا تو ختم کر دیا گیا ہوتا یا وہ کہیں دوسری جگہ آباد ہو گئے ہوتے۔ اور بعض اوقات ان کو آبادیوں میں ہی بسایا جاتا اور اس طرح وہاں ایک مختلف نسل کے لوگ بھی آباد ہو جاتے۔ بسا اوقات اور جیسا کہ تگلت پلاسر (یعنی بخت نصر) نے کیا تھا۔ سلطنت کے لئے نئے اضلاع بنائے جاتے تھے۔ سلطنت کے دور دراز علاقوں میں قیدیوں کو آباد کرنا ایک آسان بات تھی۔ اور خاص کر ان قیدیوں کے ضمن میں جو حکومت کے کسی کام نہ آ سکتے تھے۔ البتہ جو لڑنے کے قابل ہوتے ان کو فوج میں بھرتی کیا جاتا۔ دوسروں کو فوجیوں کی خدمت کے لئے شامل کر لیا جاتا۔

اس قدیم زمانے میں قیدیوں کی نقل وحرکت بری راستے ہی سے ممکن ہوتی تھی اور ان کو پا پیادہ ساری مسافت طے کرنا پڑتی تھی۔ اس طرح وہ دور مشرق میں پا پیادہ پہنچتے تھے یا جنوب کو چلے جاتے تھے کیونکہ شمال اور مغرب کا جغرافیہ انہیں معلوم نہ تھا۔ ان کے مطابق مشرق سورج کے چڑھنے کی دنیا تھی جہاں سے سلیمان بادشاہ اپنے دربار میں سونا، چاندی، ہاتھی دانت، تیتر اور مور لایا تھا۔ اور جہاں سے پیشہ ور ہندوستانی فوجی بھی آتے تھے جو تگلت پلاسر خورس اور دارا کی افواج میں شامل ہوئے تھے۔

تگلت پلاسر کی فتوحات قدرتی تھیں۔ اور وہ ایشیا میں ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچا تھا۔ یہی کیفیت سارغون اور بخت نصر کی تھی جنھوں نے اسرائیلی قیدیوں کو اپنے مشرقی مقبوضات میں بسایا تھا۔ دارا نے بھی ایسا ہی التزام روا رکھا اور یونانیوں کو ان کے وطن سے نکال کر باختریہ میں آباد کیا۔ اس طرح وسیع وعریض ایرانی سلطنت کے مشرقی مقبوضات میں آبادیاں بن گئیں جس کا بعد میں آنے والی حکومتوں نے فائدہ اٹھایا۔ اہلِ فارس ہندوستان پر

حکومت بھی کرتے رہے۔ جیسے سکندر اعظم نے بھی موجودہ شمالی پاکستان میں لوگوں کو چترال میں آباد کیا۔ یہ لوگ یونانی اور ایرانی نسل سے مخلوط ہیں۔ اور اس زمانے میں ان کو کافر کہا جاتا ہے اور وہ چترال اور ہندوکش کے پہاڑوں میں آباد ہیں (سرجارج سکاٹ رابرٹسن: ہندوکش کے کافرص ۲۳۷)۔ جارج مور کا کہنا ہے کہ جب سیتھین قوم نے اس علاقے پر قبضہ کرلیا جہاں اسرائیلی قبائل آباد تھے تو ان قبائل کو وہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔ اور وہ مزید مشرق کو جانے پر مجبور ہوئے (جارج مور: دس گم شدہ قبائل ص ۱۱۰)۔ دیوار چین بھی جبری مشقت سے بنوائی گئی تھی تاکہ یونانیوں اور ایرانیوں کی یلغار کے آگے مدافعت ممکن ہو سکے۔ اور ان کے اسرائیلی قیدی بھی اس جانب نہ نکل سکیں۔

لیکن ہر چند کہ دور دراز علاقوں میں ان کی آبادکاری ہوئی اور وہ خشکی کے راستے ہی سے وہاں پہنچے تاہم سطح زمین کے جغرافیائی خدوخال ہی نے اس انسانی ہجوم کا رُخ متعین کیا۔ تگلت پلاسر کے بارے میں پہلے بھی کہا گیا ہے کہ وہ سماریا کی شکست سے بیس برس قبل اور دس قبائل کی نقل مکانی کے وقت ہندوستان کی سرحد کے آس پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ اور کیوں آگے نہ بڑھا؟ اور کس لئے دارا پنجاب میں پہنچنے کے فوراً بعد واپس ہوگیا؟ یا سکندر نے ہندوستان میں دور تک داخل ہونے سے گریز کیا؟ ایسے اقدام کی وضاحت آب و ہوا کے حوالے سے ممکن ہے۔ وادی سندھ کی آب و ہوا مغرب سے آنے والے حملہ آوروں کو ہندوستان کے میدانی علاقوں کی آب و ہوا سے روشناس کرتی ہے۔ وادی سندھ موسم گرما میں مغرب کے پہاڑی حملہ آوروں کے لئے کسی طرح پسندیدہ نہیں ہوتی۔ موسم سرما کی سخت سردی اور پہاڑوں پر مسلسل برفباری بھی ان کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ صحرائے گوبی بھی افواج کی پیش قدمی کے لئے رکاوٹ بنتا تھا۔ اسی لئے سکندر کی افواج نے سندھ سے مزید آگے جانے سے انکار کر دیا اور جب ان کو پیش قدمی کے لئے مجبور کیا گیا تو انہوں نے بغاوت کر دی۔ اور وہ چین میں بھی داخل نہ ہو سکا اور مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ سکندر سے پہلے اسوریا اور بابل اور فارس کے فاتحین بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ تاریخ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اسوریا اور بابل کو اس علاقے کا علم تھا اور وہ افغانستان (باختریہ) اور بخارا اور سمرقند تک پہنچے بھی تھے تاہم اہل فارس، یونانی، سیتھین اور اہلِ پارتھیا ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ پارتھیا والوں نے شمالی ہندوستان میں حکومت بھی کی جبکہ دارا اور سکندر واپس ہوتے ہوئے تبت سے گزرے تھے اور چین کی سرحدوں تک پہنچے تھے۔

اگر ہم ایشیا کے نقشے کو بغور دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ نینوا سے آتے ہوئے لوگوں کے لئے ہرات تک یا ہرات سے ہندوستان تک راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور وہ سیدھے دریائے سندھ تک یا وادی سندھ سے ہزارہ کے راستے کشمیر تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں بخوبی گلگت، لداخ اور تبت تک پہنچا جا سکتا ہے۔

دارا اور سکندر کی واپسی سے اس گزرگاہ کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانے میں میسوپوٹیمیا، افغانستان (باختریہ)، ہندوستان اور تبت کو ملاتی تھی۔ محمود غزنوی کے حملوں کا زمانہ تاریخی طور پر ماضی قریب سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم تگلت پلاسر کے زمانے سے اس رہگزر کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہ گزرگاہیں لاکھوں تھکے ہارے قیدیوں کے قدموں تلے روندی گئیں۔ ان سے فوجیں گزریں، سوداگر گزرے، انسانوں کے ہجوم گزرے اور ان کے گزرنے سے مغربی ایشیا اور مشرقی ملکوں کے درمیان رابطہ قائم ہوا۔ یہ ایک ایسا رابطہ تھا جو ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

اسدراس کی دوسری کتاب اور حزقی ایل کی پیشگوئیوں اور زکریاہ کے بیانات سے بنی اسرائیل کی اپنے ملک سے نقل و حرکت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ کہ وہ مشرق کے ملکوں کی جانب چلے گئے تھے۔ علاوہ ازیں سیتھین اقوام کے حملوں کے دوران انہیں مزید مشرق کو جانا پڑا۔ سیتھین قوم نے افغانستان اور

ہندوستان پر حکومت بھی کی (جے ٹی وہیلر: تاریخ ہندوستان ص۱۲۳۹)۔ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ ان فاتحین اور حکمرانوں کے ہمراہ مشرق کے دور دراز ملکوں کو چلے جاتے اور وہاں پہنچ جاتے جہاں ان کے حکمرانوں اور فاتحین نے بھی کوئی پیش قدمی نہ کی ہوتی۔ اگر یہ درست ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ اسرائیل کے دس قبائل افغانستان، بلخ، بخارا، خراسان، قوقند، سمرقند اور تبت میں ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان کو مغربی چین میں بھی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ وہ ہندوستان کے شمالی مغربی صوبے میں بھی مل سکتے ہیں۔اور کشمیر میں بھی ان کی موجودگی کو مانا جاسکتا ہے۔

اسرائیل کے باقی ماندہ افراد کو میسوپوٹیمیا اور مغربی ممالک میں پایا جاسکتا ہے (پادری جے ایچ بروہی: دس قبائل، وہ کہاں ہیں، کتابچہ ۱۸۹۳ء اپر یٹوجیوش کونورٹ انسٹیٹیوٹ، لندن)۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ وہ یہودی جو فلسطین، عرب، ترکی، میسوپوٹیمیا اور فارس میں رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں۔ تاہم جو ایران سے اور آگے بستے ہیں اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ڈاکٹر جوزف ولف جو یہودی النسل عیسائی ہے کہتا ہے کہ اسے اسرائیلی فارس، کردستان، خراسان، قوقند، بخارا اور سمرقند میں ملے۔ بخارا اور خراساں کے اسرائیلیوں کے بارے میں اس کا کہنا ہے:

”وہ یسوع کی تاریخ اور اس کی آزمائش وآشوب سے قطعی ناآشنا تھے اور ان کو یسوع کی وفات کے بارے میں بھی کوئی علم نہ تھا۔ اس سے مجھے یقین ہوا کہ خراساں اور بخارا کے یہودیوں کا تعلق ان دس قبائل سے ہے جو فلسطین کو واپس نہیں لوٹے تھے۔ جب وہ بابل کی اسیری سے رہا ہوئے“۔(ڈاکٹر جوزف ولف: بخارا میں ایک مشن کی روداد ۱۸۴۳۔۱۸۴۵)

ڈاکٹر جوزف ولف کا کہنا ہے کہ بخارا کے اسرائیلی اس سے بات بھی نہیں کرتے تھے جب تک اس نے ”اسرائیل کی فریاد نہ سنائی“۔اے اسرائیل سن، خداوند ہمارا خداوند ایک ہی خداوند ہے (استثنا ۶:۴)۔وہ لکھتا ہے:

”ترکستان کے یہودی اصرار کر کے کہتے ہیں کہ ترکمان، تجرمہ کی اولاد سے ہیں جو جمر (گومر) کے بیٹوں میں سے ایک تھا“۔

(ایضاً پیدائش ۱۰:۳)

سوات کا سابق حکمران سید عبدالجبار شاہ ایک مکتوب کا حوالہ دیتا ہے جو ترکستان کے امیر نے یزدگرد کو لکھا تھا کہ دس قبائل میں سے چند قبیلے اس کے علاقے میں بسے ہوئے تھے (سید عبدالجبار شاہ: منعمین بنی اسرائیل یا افغانی قوم، حاشیہ ۶۹)

سرٹامس ہولڈچ کو بلخ میں اسرائیل کی ایک آبادی کا پتہ چلا جسے وہ بسوسِ دارا کا نام دیتا ہے۔(ہندوستان کے صدر دروازے، ص۶۹)

ڈاکٹر ولف کا کہنا ہے کہ بلخ کے اسرائیلیوں میں ایک بے حد قدیم روایت ہے کہ دس قبائل میں سے بعض افراد چین میں بھی ہیں (بخارا کی ایک مہم کی روداد ۱۸۴۳۔۱۸۴۵ ص۱۱)۔اگر ہم اس ضمن میں جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کائی فنگ فو کے اسرائیلی ہندوستان کے راستے یہاں وارد ہوئے تھے۔فرانسیس برنیر نے ۱۶۶۴ء میں تحریر کیا ہے کہ کیتھولک مشنریوں نے چین اور تبت میں اسرائیلیوں کو پایا ہے (ہندوستانیوں کی جنت، کشمیر کا سفر ص۱۷۱) ہک اور گابیت ان اسرائیلیوں کے رسم ورواج کا بخوبی ذکر کرتے ہیں۔جن کو عبرانی زبان میں اپنی دعاؤں کا کوئی علم نہ تھا (تاتار، تبت اور چین کا سفرنامہ، ص ۱۰۵) میر عزت اللہ جو ایک عرصے تک ان علاقوں میں برطانوی ریذیڈنٹ کے طور پر فائز رہے۔لکھتے ہیں کہ تبت میں جو یہودی آباد ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان کی مذہبی کتب ایک ایسی زبان میں ہیں جس کو وہ سمجھ نہیں سکتے (وسطی ایشیا میں سفر کی روئیداد ص ۱۴)۔ ہندوستان میں اسرائیلی بمبئی او رساحل مالابار پر آباد ہیں۔

☆☆☆☆

معرفت کاملہ

حفیظ الرحمٰن شیخ (مرحوم و مغفور)

علوم جدیدہ کے ماہرین نے صحیفہ فطرت کو کھلی کتاب قرار دیا ہے۔ جو کبھی بند نہیں ہوتی۔ یہ بنی نوع انسان کے لئے حصولِ علم کا اہم ذریعہ ہے۔ یہی راہبر و رہنما ہونے کے لائق ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان نے مشاہدہ نیچر سے بڑی معلومات حاصل کی ہیں تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ محض صحیفہ قدرت پر نظر کرنے سے کبھی کسی کا اشتباہ دور نہیں ہوتا۔ صرف نیچر کی راہبری و رہنمائی منزلِ مقصود تک لے جانے کے لئے کافی نہیں۔ اس طرح یہ بات بھی درست ہے کہ مشاہدہ صحیفہ نیچر سے حقائق کا صحیح ادراک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ علوم جدیدہ کے ماہرین کے اخذ کردہ نتائج میں، بعد کے زمانے میں بڑی بڑی غلطیوں کا انکشاف ہوا اور ان ماہرین میں ایک دوسرے سے کافی اختلافات پیدا ہوئے۔

بات یہ ہے کہ اس کائنات کے نظامِ کار میں ایک جذبہ، ایک احساس ہمہ وقت فعال رہتا ہے۔ اس جذبے یا احساس کو زیرِنظر مضمون میں ''آفاقی شعور'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس ''آفاقی شعور'' کا تعلق جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں غرض اس کائنات کی ہر شے سے قائم ہے۔ جس کے زیرِ اثر اس جہاں کی ہر چیز پر ہمہ وقت ایک سوچ، ایک فکری کیفیت، ایک استغراقی حالت طاری رہتی ہے۔ کسی شاعر نے اسی کیفیت کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

زمیں گم، زماں گم، آسماں گم
خیالِ دوست میں سارا جہاں گم

''خیالِ دوست'' میں کائنات کی ہر چیز کی یہ استغراقی کیفیت ''دوست'' سے تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی تقاضے کے باعث وحی الٰہیہ کا اجرا ہوا۔ یوں کہیے کہ یہ استغراقی کیفیت یا ''آفاقی شعور'' ریسور (Receiver) کی مانند کام کرتا ہے۔ اور وحی الٰہیہ کو بخوشی قبول کرتا ہے۔ یہ خصوصیت کائنات کی ہر شے میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کا تعلق صرف انسانوں ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ تعلق جمادات، نباتات اور حیوانات سے بھی قائم ہے۔ اسی لئے وحی الٰہی کو قرآن میں نزولِ باراں سے تشبیہہ دی گئی ہے کہ ہر جگہ اور ہر چیز پر برستی ہے اور یوں اس ''آفاقی شعور'' کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔

یہ ''آفاقی شعور'' پوری کائنات میں موجود ہے۔ اس کی ہمہ گیریت سے انکار ممکن نہیں۔ جیسے یہ خود ''آفاقی'' ہے ویسے ہی اس کے اصولوں میں ہمہ گیریت اور آفاقیت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ اس کے دائرہ اثر میں جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان سب ہی آتے ہیں تاہم بنی نوع انسان سے اس کے تعلق کی نوعیت باقی چیزوں سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ اس کے عمومی اثرات کا مشاہدہ معصوم بچوں میں نہایت عمدگی سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک نوخیز بچے کے لبوں پر رقصاں فطری مسکراہٹ میں سورج کی چمک سے کہیں زیادہ دلکشی اور دلفریبی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ سورج کائنات کی زندگی کے لئے بے حد لازمی ہے اور اسی کے باعث بچوں کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹیں رقصاں رہتی ہیں۔ سو حقیقت جب اپنے اظہار کے لئے دوسری اشیاء کو ذریعہ بناتی ہے تو حقیقت کا انعکاس کرنے والی یہ چیزیں بے حد دلفریب اور دلکش نظر آنے لگتی ہیں اور توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں۔ یہی کشش حصولِ علم کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیفہ فطرت کو کھلی کتاب قرار دیکر حصولِ علم کا واحد ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔

جب اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ ''آفاقی شعور'' ریسور کی مانند کام کرتا ہے اور وحی الٰہیہ کو قبول کرتا ہے۔ تو پھر ہمیں شخصیات کے ایک ایسے سلسلے کو بھی

(بقیہ صفحہ نمبر 35)

امام الزماں کی اپنی بیعت کنندگان کو نصیحت

پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے اور میری اطاعت میں محو ہو کر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے۔ وہی ہے جس کی اِن آفتوں کے دنوں میں میری رُوح شفاعت کرے گی۔

سواے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے۔ جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے۔ وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبر دار ہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو۔ اور ضرور ہے کہ تم دُکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی اُمیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو۔ کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔ اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو۔ سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا۔ وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔ وہ اُس کے پاس آجاتا ہے جو اُس کے پاس جاتا ہے۔ جو اُس کو عزت دیتا ہے وہ اُس کو عزت دیتا ہے۔

تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔ عقیدہ کے رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں"۔ (کشتی نوح)

☆☆☆☆☆

دہلی مرکز کے منصوبہ کی تکمیل وترقی کی رپورٹ

شوکت اے۔علی (آسٹریلیا) مترجم: ارشد علوی صاحب

سورۃ المائدہ میں فرمانِ الٰہی ہے:

ترجمہ:''اور اللہ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اچھا مال اللہ کو کاٹ کر دو گے تو میں بالضرور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور بالضرور تم کو باغوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں پس جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے گا وہ بلاشبہ سیدھے رستہ سے بھٹک گیا''۔(5:12)

معزز بہنو اور بھائیو:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بھارت میں ہماری جماعت آپ کی دعاؤں اور مدد کے باعث بہتر کارکردگی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔اس سال اکتوبر کے شروع میں مَیں نے بھارت کا تیسری بار دورہ کیا۔جو بہت ہی نتیجہ خیز رہا۔آپ ہی میں سے چند مخیّر افراد کی مالی امداد اور جماعت کے ممبران کی مسلسل دُعاؤں اور ہمدردی کے باعث دہلی مرکز میں موجود احباب جماعت کے لیے بہتر سہولیات سے آراستہ مرکز کی تعمیر میں مناسب پیش رفت ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''(دونوں) برابر نہیں، مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے جن کو کوئی دُکھ نہیں، اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں بزرگی دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر دے کر بزرگی بخشی ہے''۔ (4:95)

آپ کو یاد ہوگا میں نے جولائی 2013ء کے خبرنامہ میں ذکر کیا تھا کہ فی الحال مناسب فنڈ کی کمی کے باعث مسجد اور سکول کو اصل نقشہ کے مطابق جاری رکھنا ممکن نہیں ہے۔لہٰذا منصوبہ (B) کو اختیار کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ خریدی گئی عمارت کو دہلی جماعت کے افراد کیلئے مرکز احمدیہ انجمن میں تبدیل کر دیا جائے۔جس کے لیے عمارت میں ضروری تبدیلی اور توسیع درکار ہوگی۔

دوسرے مرحلہ میں نماز کی جگہ کے علاوہ دیگر جماعتی سرگرمیوں کیلئے کافی جگہ ہوگی۔جس میں میٹنگ روم، لائبریری اور دفتر کے لیے کمرہ جات شامل ہوں گے۔

تیسرے مرحلہ میں مرکز کے گردآباد لوگوں کے بچوں کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کیلئے کام درکار ہوگا۔دوسرا مرحلہ تکمیل کے قریب ہے جس کیلئے زیادہ تر فیجی اور آسٹریلیا کی جماعتوں کے ممبران کا مالی تعاون حاصل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''جو لوگ کتاب اللہ کو پڑھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو تباہ نہیں ہوگی۔تاکہ وہ انہیں ان کے اجر پورے دے اور اپنے فضل سے انہیں بڑھ کر دے وہ بخشنے والا قدردان ہے''۔(35:29-30)

دوسرے مرحلہ کی تکمیل کے بعد دہلی جماعت کے ممبران تیسرے مرحلہ کے کام کو تیزی سے جاری رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ اگر اس میں مزید تاخیر کی گئی تو تعمیری اخراجات بڑھ جانے کا اندیشہ ہے جو کہ بیرونی ممالک میں موجود ممبران کے مالی تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے اور ہمیں یقین کامل ہے کہ ماضی کی طرح یہ بھی جلد پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔اس طرح مستقبل قریب میں تیسرے مرحلہ کی تکمیل کے بعد بیرون ملک بھائیوں سے مزید مالی امداد لینا مناسب نہ ہوگا۔

آپ کو یہ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ دوسرے مرحلہ میں اتنی ترقی ہو چکی ہے کہ ہم نے اپنی نئی عمارت کے اندر ہی نماز عیدالضحیٰ ادا کی۔ پچھلے سال خریدی گئی اس عمارت کا تیزی سے جاری توسیع اور تبدیلی کا کام اب اس حد تک مکمل ہو چکا ہے کہ وہاں تمام نمازوں کی ادائیگی ممکن ہے۔ عیدالضحیٰ کے موقع پر تقریباً 50 افراد نماز میں شامل ہوئے۔ جو کام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ نماز جمعہ بھی باقاعدگی سے ادا کی جاتی ہے۔ انڈیا میں موجود ہمارے ممبران صدقِ دل سے اُن سب احباب کے شکر گذار ہیں جنہوں نے اس منصوبہ کیلئے فراخ دلی سے مالی امداد دی ہے اور یہ کہ مزید مالی معاونت کی درخواست ہے جس کا اجر یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ اُنہیں یہ بھی یقین ہے کہ آئندہ چند ہفتوں میں پوری دُنیا میں موجود ہماری جماعت کے احباب ان ضروری اخراجات کو پورا کرنے کے لئے جوش وخروش سے حصہ لیں گے اس سے پیشتر کہ تعمیری اخراجات میں اضافہ ہو جائے۔

آئندہ چند مہینوں میں اس منصوبہ کے تیسرے مرحلہ کی تعمیر کے لئے کافی رقم درکار ہوگی جس کی فراہمی کے لئے ہم تمام بہن بھائیوں سے بھی درخواست کرتے ہیں۔ کیونکہ ماضی میں چند افراد نے بار بار مدد کی ہے۔ ہماری درخواست باقی ماندہ افراد بھی اس صدقہ جاریہ میں حصہ ڈالیں اور انڈیا میں ہمارے مشن اور ضرورت مند بہن بھائیوں کی مدد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''بیشک تمہاری کوشش الگ الگ ہے سو جو دیتا ہے اور تقویٰ کرتا ہے اور اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اسے آسانی کی طرف چلائیں گے اور جو بخل کرتا ہے اور پرواہ نہیں کرتا اور اچھی بات کو جھٹلاتا ہے تو ہم اُسے تنگی کی طرف چلائیں گے۔ اور اس کا مال اس کے کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا'' (92:4-11)

ہم آپ اور آپ کے عزیزوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے لئے دُعا گو ہیں۔

والسلام

شوکت۔اے۔علی (آسٹریلیا)

بقیہ: معرفت کاملہ

ماننا پڑے گا جو اس ''آفاقی شعور'' اور وحی الٰہی میں تعلق قائم کرنے کے لئے رابطے کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اس نظام کا ہونا فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کے بغیر علم یقینی کا پیدا ہونا مشکل ہے یہی نظام ارتقائے کائنات کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کے طُفیل گیان، خود آگہی یا معرفتِ کاملہ کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو دنیا جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی رہتی اور اس کے ارتقاء میں جو تسلسل ہم دیکھتے ہیں وہ دیکھنے میں نہ آتا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات کی بقا اور اس کے تدریجی ارتقاء نیز یقینی علم کے حصول کے لئے ''آفاقی شعور'' اور وحی الٰہی دونوں لازم ملزوم ہیں۔ کائنات میں جہاں جہاں یہ ''آفاقی شعور'' موجود ہے وہاں وحی الٰہی کا تعلق بھی لازمی طور پر قائم رہتا ہے۔ وحی الٰہی سے جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان سب ہی حصہ پاتے ہیں مگر اس کے وسیع تر اثرات کا مشاہدہ انسانوں میں سب سے زیادہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ گائے یا گھوڑے کی سوچ اپنے مالک کی سوچ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسی طرح عام ان پڑھ انسان کا ذہن ایک تعلیم یافتہ انسان کے ذہن کی برابری نہیں کر سکتا۔ ملہمین کی ذہانت کو غیر ملہمین نہیں پا سکتے اور انبیاء کی ذہانت کا معیار تو صرف انبیاء ہی پیش کر سکتے ہیں۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت کو جو اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا گیا تھا۔ زمرۂ انبیاء کرام میں سے کسی اور کو اس مقام تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔

گویا نبی کی ذہانت لامحدود ہوتی ہے۔ اس میں آفاقیت پائی جاتی ہے تا کہ انسانوں کی راہبری کر کے انہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیں یعنی خدا سے ملا دیں۔ انسان خود خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ نبیوں کے حوالے سے خدا خود انسانوں تک پہنچتا ہے۔ ماضی میں وہ کرشن، زرتشت، گوتم موسیٰ عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے انسانوں کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرتا رہا۔ وہ اب بھی امت محمدیہ صلعم کے محدثین، مجددین اور ولیوں کے حوالے سے اپنی شناخت کراتا ہے اور یہ کام قیامت تک ہوتا رہے گا۔

24ذی الحجہ1364ھ
30نومبر1945ء

مسلمانوں میں امر جامع کا فقدان ہے
جماعت جلسہ سالانہ کو امر جامع سمجھے

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ (امیر جماعت، اوّل)

ترجمہ: ''مومن وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی بات کے لئے جہاں جمع ہونے کی ضرورت ہے اس کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، تو جاتے نہیں جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں وہ لوگ جو تجھ سے اجازت لے لیتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تجھ سے اجازت مانگیں تو تُو ان میں سے جسے چاہے اجازت دے دے اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کر اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (النور:62)

مومن صرف وہی ہیں۔ یہ پیرایہ بیان کا اللہ تعالیٰ نے تین جگہوں پر قرآن مجید میں اختیار فرمایا ہے۔

ایک جگہ آتا ہے: ''مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے اور جب اللہ کا ذکر آجائے، تو ان کے دل خوف سے بھر جاتے ہیں، کانپ اٹھتے ہیں'' (انفال:2) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان کو اپنی ہستی کا احساس ہو کہ میں کیا چیز ہوں؟ تو بلا شبہ اس کا دل خدا کی عظمت کے سامنے ایک خوف سے بھر جاتا ہے۔ حقیقی ایمان بھی یہی ہے۔ ایمان اس چیز کا نام نہیں، کہ ہم صرف منہ سے اظہار کر دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، بلکہ ایمان اس کا نام ہے کہ جب اللہ کا ذکر آجائے تو دل کانپ اٹھے۔ اس لئے فرمایا کہ مومن صرف وہی ہے جس کے قلب میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے۔ ''اور جب ان پر خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، وہ ان کو ایمان میں بڑھاتی ہیں۔ اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

اور دوسری جگہ فرمایا: ''مومن صرف وہی ہیں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد وہ شک نہیں کرتے۔'' (الحجرات :15) وہ ایمان جو کمال کو پہنچا ہوا ہے، اور کیسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان کمال کو پہنچا ہوا ہے؟ ''اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، یہی سچے ہیں'' (الحجرات:15) ان کا ایمان عمل کا ایمان ہوتا ہے۔ جب تک عمل سے ایمان ظاہر نہ ہو، اس وقت تک صحیح معنوں میں وہ ایمان نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ مومن صرف وہی ہیں جو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

تیسرا موقعہ یہی ہے جو ابھی میں نے آیت پڑھی ہے: ''مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب کسی امر جامع میں آپؐ کے ساتھ ہوتے ہیں، تو جاتے نہیں، یہاں تک کہ آپؐ سے اجازت لے لیں۔''

اب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری بات کوئی عظیم الشان بات نہیں۔ اور پہلی دونوں عظیم الشان باتیں نظر آتی ہیں۔ مومن کا دل خدا کے ذکر پر کانپ نہیں اُٹھا تو ایمان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اگر مومن نے اپنے مال اور جان کو خدا کے راستہ میں لگا نہیں دیا تو ایمان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کے مقابل میں یہ ایک چھوٹی سی بات نظر آتی ہے کہ کسی امر جامع میں رسولؐ کے ساتھ ہوں تو وہاں سے جاتے نہیں۔ خدا کا کلام شاید کسی وقت ہماری سمجھ میں نہ آئے، لیکن وہ ضرور کسی

مصلحت اور صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔

قومی معاملات میں انضباط

اَمْرٌ جَامِعٌ وہ امر ہے جس کی اتنی اہمیت ہو کہ لوگ اس کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ گویا خود اس امر نے ہی لوگوں کو جمع کیا ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کوئی امر جامع پیش آ جائے، تو وہ آ جاتے ہیں۔ بلکہ یوں فرمایا کہ کسی امر جامع کے لئے آ جائیں تو وہ جاتے نہیں یہ ایک ڈسپلن کا معاملہ ہے۔ کسی اہم امر کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں تو انضباط یہ چاہتا ہے کہ یوں نہ ہو کہ میرا دل چاہا تو میں اُٹھ کھڑا ہوا اور کسی اور کا دل چاہا وہ اٹھ کر چلا گیا۔ بلکہ جس بات کے لئے بلایا گیا ہے جب تک وہ طے نہ ہو جائے اس وقت تک اٹھنا نہیں چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خدا کے ذکر پر دل میں خوف کا پیدا ہو جانا اصل ایمان ہے اور خدا کے راستہ میں مال اور جان خرچ کرنا اصل ایمان ہے اسی طرح قومی معاملات میں انضباط کا ہونا اصل ایمان ہے۔ انضباط اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک معاملہ کو اس قدر اہمیت دی جائے کہ اس کے مقابل اپنی غرض یا اپنی تکلیف ہیچ نظر آئے۔

مسلمانوں میں انضباط کا فقدان

آج مسلمانوں میں ڈسپلن مفقود ہے۔ اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ مسلم لیگ کا ان دنوں بڑا زور ہے۔ لیکن جو لوگ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کے امیدوار ہوتے ہیں، اگر ان کو ٹکٹ نہ ملے تو وہ مسلم لیگ کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل کانگرس کو دیکھئے۔ اس میں انضباط موجود ہے۔ وہاں ایسے واقعات پیش نہیں آتے یہ صرف خود غرضی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ڈسپلن پیدا نہیں ہوتا!

ڈسپلن کی اہمیت

انضباط بہت بڑی چیز ہے۔ اس لئے اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور اس کے متعلق یہ حکم بھی موجود ہے کہ کسی جامع امر میں رسول خدا کے ساتھ ہونا اس کو معمولی بات نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ اس سے اگلی آیت میں یہی آتا ہے ''رسولؐ کے بلانے کو آپس میں ایسا قرار نہ دو، جیسا تمہارا ایک دوسرے کو بلانا'' (النور:63) نبی کریمؐ کا بلانا بڑا اہم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں کو بلاتے تھے تو وہ دین کے کاموں کے لئے بلاتے تھے یا قوم کی دشمن سے حفاظت کے لئے بلاتے تھے۔

جنگ احد کا واقعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات کے لئے لوگوں کو بلاتے تھے باوجود اس کے کہ آپؐ کو غلبہ کا وعدہ دیا گیا تھا جنگوں اور تمام ضروری معاملات میں ان سے مشورہ لیتے تھے یہاں تک کہ جنگ احد کے موقعہ پر کثرت رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگئی اور آپؐ نے اسی کثرت رائے پر عمل فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کریں اور حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ کو رؤیا میں بتایا بھی گیا تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنا بہتر ہے۔ مگر اس کے باوجود آپؐ نے لوگوں کو بلایا اور ان سے مشورہ لیا اور کثرت رائے اس طرف ہوگئی کہ باہر نکل کر جنگ کرنی چاہیے۔ اگرچہ اس سے نقصان بھی ہوا۔ لیکن اس نقصان کی وجہ کچھ اور تھی بعض لوگوں کی غلطی کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ لیکن پھر بھی اہم قومی امور میں ان سے مشورہ لینے کا ارشاد ہوتا ہے۔ ''پس ان کو معاف کر دو اور ان کے لئے استغفار کرو اور کام میں ان کا مشورہ لیتے رہو'' (آل عمران 159) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ امر جامع کے مواقع بہت پیش آتے تھے۔ عام تقریبات پر اکٹھے ہونے کو امر جامع نہیں کہتے بلکہ امر جامع وہ ہے جس میں قوم کی زندگی کا سوال ہوتا ہے۔

امر جامع اور مسلمانوں کی پراگندگی

اس زمانہ میں حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے لئے جو امر جامع تھا وہ باقی نہیں رہا اور چھوٹے چھوٹے امور بھی ہیں جن پر اکٹھے ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن وہ بات جس پر سارے مسلمان اکٹھے ہو جائیں وہ کیا تھی؟ وہ خود قرآن مجید

نے ان لفظوں میں بتائی ہے۔''اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو'' (آل عمران 103) یہ بڑا زبردست امر جامع تھا۔ مگر آج اس کے متعلق اس قدر پراگندگی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لوگ خود کہتے ہیں کہ اس وقت قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی ضرورت ہے مگر حالت یہ ہے کہ اس پر جمع نہیں ہو سکتے۔ اس وقت خدا کے فضل سے ہماری جماعت قرآن کو دنیا میں پہنچانے میں سب سے آگے ہے اور دوسرے لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے ہیں۔ اس قدر نیک کام میں ہمارے ساتھ شامل ہونا انہیں مصیبت نظر آتا ہے۔ دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قرآن فلاں کا ترجمہ کیا ہوا ہے اور اس میں وفات مسیحؑ کا ذکر ہے اور اب اپنی اپنی جگہ پر اس بات کی فکر میں بھی ہیں کہ کوئی قرآن ایسا ہو جائے کہ جس پر سارے مسلمان متفق ہو جائیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ وہ جمع ہو کر قرآن کو دنیا میں پہنچائیں۔ لیکن وہ جمع نہیں ہو سکتے۔ فی الحقیقت یہ کیفیت اس لئے ہے کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ورنہ اگر کسی ترجمہ میں وفات مسیحؑ کا ذکر آ گیا تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر عیسائی وفات مسیحؑ کے متعلق یہ رویہ اختیار کرتے تو موزوں تھا کیونکہ وفات مسیحؑ کے عقیدہ سے ان کے مذہب کی بنیاد پر اثر پڑتا ہے لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہونا تعجب خیز بات ہے!

تفرقہ کی وجہ:

مسلمانوں میں تفرقہ کی وجہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی عظمت کا احساس ان کے دلوں میں نہیں ورنہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کبھی ان کے راستہ میں حائل نہ ہو سکتیں۔ صحابہؓ کو دیکھئے کس قدر مسائل میں اختلاف تھا! حضرت عباسؓ کو پچاس مسائل میں دوسرے صحابہؓ سے اختلاف تھا۔ مگر یہ اختلاف ان کے اتحاد پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا اور آج بھی جب تک مسلمان اس حالت کو اختیار نہیں کریں گے وہ کامیاب نہیں ہو سکتے!

حدیث مجدد اور حضرت مرزا صاحب کا انکار

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسا شخص مبعوث کرتا رہے گا، جو دین کی تجدید کرتا رہے گا'' اس وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک شخص کو کھڑا کیا مگر مسلمانوں نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ مسلمان جانتے ہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحب کو نہ مانا جائے تو حضرت نبی کریمؐ کی حدیث کا انکار کرنا پڑے گا۔ مگر آج ان کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کا انکار کر کے وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا عملی طور پر انکار کر رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا قرار دینا ہے انہیں اس بات کی پروا نہیں، خواہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر زد پڑے!

حضرت مرزا صاحب نے اسلام کے امر جامع کو پیش کیا

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں کھڑا کیا، اس نے وہی چیز پیش کی، جو اسلام کا امر جامع تھا کہ قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ قرآن کو پیش کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ آج سب بڑے بڑے لوگ پکار رہے ہیں کہ دنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے اس حالت سے وہی چیز بچا سکتی ہے جو ان کی ذہنیتوں کو بدل دے۔

ایمان کی طاقت دنیا کو ہلاکت سے بچا سکتی ہے

دو چیزیں ذہنیتوں پر قابض ہوتی ہیں۔ ایک چیز مال ہے اور ایک چیز ایمان ہے۔ ایمان کی طاقت اتنی زبردست ہے کہ اس کے سامنے مال کی طاقت ہیچ ہو جاتی ہے۔ مال کی طاقت دنیا کو نہیں بچا سکتی صرف ایمان کی طاقت دنیا کو بچا سکتی ہے۔ آنے والے مسیح کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی جملہ کافی ہے ''اگر ایمان ثریا پر معلق ہوا تو ان میں سے ایک شخص ہوگا، جو اس کو وہیں جا کر لے لے گا''۔ آج مال دنیا کا مسجود ہے اور ایمان ثریا پر پہنچ گیا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مامور کیا وہ ثریا سے ایمان کو واپس لایا اور اس نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ قرآن کو دنیا میں پہنچاؤ لیکن مسلمانوں نے اس امر جامع کی طرف توجہ نہ کی۔

جماعت پر اتمام حجت

میں آج ایک بات آپ کو کہنا چاہتا ہوں آپ کو جس بات پر حضرت مسیح موعود نے کھڑا کیا تھا، وہی امر جامع تھا، جس پر ہماری ساری قوت صرف ہو جانی چاہیے تھی۔ لیکن ہم اس پر اپنی پوری طاقت صرف نہیں کر رہے۔ وہ امر جامع ہے قرآن کا دنیا میں پہنچا دینا۔ یہی ایک چیز ہے جس کی طرف امام وقت نے توجہ دلائی۔ باقی قوم کی تعلیم کی طرف توجہ کرنا یا رفاہِ عامہ کے کاموں کی طرف توجہ کرنا یا ذاتی کاموں کی طرف توجہ کرنا، یہ باتیں زمانہ خود سکھا رہا تھا۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نہ آتے تو قرآن کی دنیا میں تبلیغ ختم ہو جاتی۔ یہ وہ بات ہے جس کی طرف حضرت صاحب نے توجہ دلائی، مسلمان اس سے قطعی غافل پڑے تھے۔ لیکن ساتھ ہی میں آپ پر اتمام حجت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ کیا آپ کی پوری طاقت اس پر صرف ہو رہی ہے؟ خوب یاد رکھو، محض باتیں کرنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔ جب تک آپ کی پوری طاقت اس کام پر صرف نہ ہو گی، آپ کو اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ آپ کی پوری طاقت اس پر صرف ہونی چاہیے۔

ہماری جماعت کو امر جامع کے لئے کھڑا کیا گیا ہے

تعلیمی ادارے بت پرستوں اور عیسائیوں میں بھی موجود ہیں۔ بڑے بڑے خیراتی کام ہندو اور عیسائی بھی کر رہے ہیں۔ ہسپتال بھی قائم کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی ان کے دیکھا دیکھی یہ چیزیں آ جائیں، مگر جو چیز آج دنیا میں موجود نہیں وہ قرآن مجید کا دنیا میں پہنچانا ہے۔ اس کام کے لئے ہماری جماعت کو کھڑا کیا گیا ہے۔ اگر آپ کی پوری طاقت اس پر صرف نہیں ہوتی تو آپ اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہیں۔ قرآن کا دنیا میں پہنچانا امر جامع ہے یہ خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے۔

حضرت مسیح موعود نے جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی

میں ذرا مختصر طور پر چند باتیں اس کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔ اس غرض کے حصول کے لئے ہمارا سالانہ جلسہ امر جامع ہے۔ اور وہ سالانہ جلسہ اس انجمن کا قائم کیا ہوا نہیں اور نہ زید بکر کا مقرر کیا ہوا ہے۔ یہ جلسہ سالانہ کے تین دن اس شخص نے مقرر کئے ہیں (اور اپنے دعویٰ کے ساتھ مقرر کئے اور اُس وقت مقرر کئے، جس وقت ساری دنیا مخالف تھی) جس کو اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کے ساتھ ہی اس جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور فرمایا کہ اس جلسہ سالانہ کے موقعہ پر یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جو لیکچر ہوتے ہیں ان کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس کام کے لئے تیار کیا جائے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ صرف لیکچر کافی نہیں۔ جب تک آپ اس موقعہ پر اکٹھے ہو کر تجاویز نہیں سوچتے اس وقت تک حضرت مسیح موعود کی آواز پر یہ لبیک نہیں۔ حضرت صاحب نے تین دن امر جامع کے لئے ضروری قرار دیئے ہیں۔ مگر ان تین دنوں کے لئے وہی تیار ہو کر آئے گا جس کا سارا سال اس فکر میں گزرتا ہے کہ قرآن کو دنیا میں کس طرح پہنچایا جائے۔ اگر سارا سال آپ کا دنیوی امور میں گزر گیا تو تین دنوں میں آپ کے خیالات پلٹا نہیں کھا جائیں گے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ سارا سال اس کام کے متعلق سوچتے رہیں۔

جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت

میں سب لوگوں کو اس جلسہ سالانہ کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ یہاں جمع ہوں اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے تجاویز سوچیں۔ خوب یاد رکھیں کہ آپ لوگ خود دنیا کی بربادی میں شریک ہیں، جب تک آپ اس نسخہ کو، جو آپ کے پاس ہے، دنیا کی مرض کے لئے استعمال نہیں کرتے یہ نسخہ آپ کے ہاتھ میں ہے مگر آپ اسے استعمال نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن میں اپنے دور وقریب کے دوستوں کو کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اس جلسہ میں شامل ہو کر کوئی مؤثر قدم اٹھائیں اور دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے تجاویز سوچیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس چھوٹی سی جماعت کے دل میں وہ تڑپ پیدا ہو جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے دل میں تھی تو تمام دنیا میں قرآن پہنچ سکتا ہے اور دنیا اس تباہی سے بچ سکتی ہے۔اس وقت تمام ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے کیونکہ تم ان اقوام تک قرآن مجید نہیں پہنچاتے۔لیکن جب ہم قرآن مجید کو ان تک پہنچا دیں گے تو ذمہ داری ان پر عائد ہو جائے گی،اگر وہ اسے قبول نہ کریں!

جماعت جلسہ سالانہ کو امر جامع سمجھے

میں ساری جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس جلسہ کو امر جامع سمجھیں اور نہایت اہتمام اور پابندی کے ساتھ اس میں شامل ہوں۔وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کو دور کریں۔ یہ ہماری جماعت کی کمزوری ہے کہ ہم جلسہ سالانہ کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کا حق ہے۔ یہ تین دن اسی شخص نے مقرر کئے تھے جو اس زمانہ کے لئے مصلح ہو کر آیا۔ بڑے اور چھوٹے، مرد اور عورتیں سب اس جلسہ میں شریک ہوں۔شائد بعض ایسے لوگ بھی ہوں جن پر جلسہ سالانہ کی باتوں کا اثر نہ ہوتا ہو۔لیکن عام طور پر جو بات دل سے نکلتی ہے وہ اثر کر جاتی ہے۔آپ میں سے ہر ایک شخص اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے کہ اس نے لوگوں کو جلسہ میں شریک کرنا ہے۔ جب جلسہ کا وقت آتا ہے تو قادیانی جماعت میں ایک شور ہوتا ہے مگر میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہماری جماعت میں وہ بات پیدا نہیں ہوئی، جو ہونی چاہیے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ میں شمولیت کو معمولی بات نہ سمجھیں، بلکہ اس کے ساتھ تمہاری اور دنیا کی زندگی وابستہ ہے۔خوب یاد رکھو کہ دنیا اس ہلاکت سے بچے گی۔اگر تم اس کو بچانے والے نہیں ہو گے تو خدا تمہاری جگہ کسی اور قوم کو کھڑا کر دے گا۔اٹھو اور خدا کے حضور گرو اور دُعا کرو اے خدا! تو ہمارے دلوں میں یہ تڑپ پیدا کر دے کہ ہم تیرے دین کی خدمت کو سرانجام دے سکیں۔(پیغام صلح 5دسمبر1945ء)

☆☆☆☆

انتقال پُر ملال

حضرت شیخ نیاز احمد صاحب کے آخری فرزند شیخ ممتاز احمد صاحب وفات پا گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے قریبی ساتھی وزیرآباد کے حضرت شیخ نیاز احمد صاحب کے آخری اور سب سے چھوٹے فرزند شیخ ممتاز احمد صاحب 20دسمبر2014ء کو وزیرآباد میں انتقال فرما گئے۔

شیخ ممتاز احمد صاحب انتہائی شریف النفس، نیک سیرت،غریب پرور،ملنسار اور مہمان نواز انسان تھے۔بلاشبہ مرحوم نے اپنے والد بزرگوار کی روایات کو خوب نبھایا۔

وزیرآباد میں ''شیخوں کی کوٹھی'' کی نیک روایات کو شیخ ممتاز احمد صاحب نے حتی الوسع جاری رکھا۔ان کی زندگی سادہ لیکن نیکی کی خوبیوں سے مزین تھی۔اس کوٹھی کی عظمت جہاں اس کی عمارت کے طرز تعمیر اور وسعت کی بدولت ہے وہاں اس میں مکین حضرت شیخ نیاز احمد صاحب کے فرزندگان نے اپنے اپنے رنگ میں اس کی عظمت کو برقرار رکھنے میں کردار ادا کیا۔ اسی لئے ان کی وفات پر تمام عزیز و اقارب، دوست احباب اور اہل وزیرآباد اشکبار تھے کہ ان کا ایک محترم بزرگ راہی ملک عدم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ شیخ ممتاز احمد صاحب مرحوم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام ۔5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

آمد آمد ہے

محمد اعظم علوی

حریمِ شوق میں صحرائیوں کی آمد آمد ہے
شہ لولاک کے سودائیوں کی آمد آمد ہے

چمن میں آج پھر رعنائیوں کی آمد آمد ہے
مسیحِ وقت کے شیدائیوں کی آمد آمد ہے

ہزاروں میل سے یہ نورِ عرفان لینے آئے ہیں
کچھ اپنی رُوح کی تسکین کا سامان لینے آئے ہیں

سلام اے نصرتِ دینِ محمدؐ کے طلبگارو
سلام اے دشتِ ظلمت میں صداقت کے پرستارو

سلام اے آسمانِ عشق میں ڈوبے ہوئے تارو
سلام اے حسنِ قرآں کے نگہبانو! نگہدارو!

مسیحا کے مدینہ میں تمہیں آنا مبارک ہو
مبارک ہو تمہیں صد بار یاں آنا مبارک ہو

تمہارے دل میں پوشیدہ محبت کے شرارے ہیں
ادائیں کیسی دلکش ہیں چلن بھی کیسے پیارے ہیں

تمہیں ہم اپنی آنکھوں پر بصد عزت بٹھائیں گے
تمہاری راہ میں ہم دیدہ و دل کو بچھائیں گے

تمہیں فرطِ محبت میں گلے سے ہم لگائیں گے
ہیں بچھڑے سال بھر کے اپنے ارماں اب نکالیں گے

جہان خشک و تر میں اک بہارِ جاوداں تم ہو
بہشتِ خاکیاں تم ہو بہشتِ نوریاں تم ہو

تمہاری کوششوں کی دھوم ہے اقصائے عالم میں
عیاں ہے نصرتِ باری تمہاری سعئ پیہم میں

تمہاری سمت اُٹھی ہیں نگاہیں اِک زمانے کی
تمہی وہ شاخ ہو بنیاد ہے جو آشیانے کی

اُٹھو کچھ فکر کر لو اپنے اپنے آب و دانے کی
گھڑی پھر آن پہنچی ہے تمہارے آزمانے کی

زمانہ منتظر ہے اب طلوعِ مہرِ ایماں کا
جنازہ اُٹھ چکا ہے مادیت کے ساز و ساماں کا

اُٹھو دامانِ گیتی کو بہشتِ جاوداں کر دیں
جہانِ رنگ و بو کو باعث رشک جناں کر دیں

سانحہ پشاور کے شہید بچوں کے نام

عامر عزیز الازہری

اے ماں غم نہ کرنا میں لوٹ آؤں گا
پلا کے خونِ جگر درندوں کو میں لوٹ آؤں گا

میرے کھلونے، میرے سپنے سنبھال رکھنا
ٹوٹنے نہ پائیں خواب میرے میں لوٹ آؤں گا

میرا بستہ، میری کتابیں، میرا قلم، میرا یونیفارم
بچا رکھنا انہیں قاتلوں سے میں لوٹ آؤں گا

میرے مطہر جسم پر آنسو نہ گرنے پائیں
ان موتیوں کو سنبھال رکھنا میں لوٹ آؤں گا

میرے قاتلوں کو بتا دینا ہمجولیوں کو سمجھا دینا
میں مرا نہیں زندہ ہوں میں لوٹ آؤں گا

دھرتی میں جو رنگ بھرا ہے میرے لہو نے
اس رنگ کو سجائے رکھنا میں لوٹ آؤں گا

میرے سفید لباس کی حُرمت کی قسم
یہ قربانی بھلا نہ دینا میں لوٹ آؤں گا

وحشی قاتلوں کے ناپاک وجود کو رکھنا نہ عزیزؔ
ارضِ پاک سے انہیں مٹا دینا میں لوٹ آؤں گا